امام ذہبیؒ کی علم اصول حدیث پر شہرہ آفاق کتاب
"الموقظة" کا اردو ترجمہ
اُصولِ حدیث
الامام الحافظ المورخ شمس الدین
ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ
مترجم
محمد اسد اللہ خالد
ادارہ جاوید قدریہ

امام ذہبیؒ کی علم اصول حدیث پر شہرہ آفاق کتاب
"الموقظة" کا اردو ترجمہ
اُصولِ حدیث
الامام الحافظ المورخ شمس الدین
ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ
مترجم
محمد اسد اللہ خالد

نام کتاب

اُصولِ حدیث

مصنف

الامام الحافظ المورخ شمس الدین

ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ

مترجم

محمد اسد اللہ خالد

اشاعت طبع اوّل .... مارچ 2023ء ......شعبان 1444ھ

قیمت .... -/400

تعداد 500

پرنٹنگ .... شفیق پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر .... ادارہ فکر جدید 128 بلاک ای، سوئی گیس ہاؤسنگ سوسائٹی، فیز 1 لاہور

فون نمبر 0300-4220263

ویب سائٹ .... www.idarafikrejadeed.com

ادارہ فکر جدید

فہرست

اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں

جو بڑا ہی مہربان، نہایت رحم کرنیوالا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

امام ذہبی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے بھی امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ادارۂ فکر جدید سے شائع ہو چکی ہے۔ جناب اسد اللہ خالد نوجوان مترجم ہیں، عربی ادب اور گرائمر کا خصوصی ذوق اور شوق رکھتے ہیں۔ دونوں کتابیں انھوں نے اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ دونوں حدیث کے موضوع پر ہیں۔ پہلی کتاب اُن شہروں کے مختصر تعارف پہ مبنی تھی جہاں سے حدیث کی تعلیم و تدریس کا آغاز ہوا۔ یہ دوسری کتاب علم الحدیث پر ہے۔ یہ کتاب طالبانِ علم الحدیث کے لیے بہت اہم ہے۔ اِس میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے علم الحدیث کی اصطلاحات کو بیان کیا ہے۔ حدیث کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول وقواعد میں مکاتب فکر و فقہ کے درمیان اختلاف ہے۔ انھی اصول وقواعد کی روشنی میں احادیث سے استنباطِ مسائل کا طریقہ مختلف ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام اور محدثینِ عظام کا باہمی اختلاف اور پھر فقہاء کا باہمی اختلاف درحقیقت اِسی کا عکاس ہے۔ یہ تنوع اور اختلاف درحقیقت آسانی اور سہولت کا باعث ہے۔ فقہائے کرام اور محدثین کی کاوشیں اور کوششیں دین نہیں ہیں لیکن دین کے مزاج کو سمجھنے اور اس سے واقفیت کا ایک مضبوط ذریعہ اور وسیلہ ضرور ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں یہ خدمت بخوبی سرانجام دی۔ آج اس گرانقدر کتاب کا اردو ترجمہ کر کے اسد اللہ خالد صاحب نے بھی اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ انھوں نے اُردو دان طبقہ کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے کہ وہ علم الحدیث کو زبان کے فاصلے اور رکاوٹ کے بغیر سمجھ سکتے ہیں۔

آخر میں ادارۂ فکر جدید کے وابستگان اور متعلقین کا شکرگزار ہوں جو علمی تحقیقی کام میں ہمارے معاون ہیں۔ ایک کتاب کی تیاری و تکمیل میں مصنف و مترجم کے ساتھ دیگر افراد بھی

ہوتے ہیں۔ یہ در حقیقت ایک ٹیم ورک ہے۔اسد اللہ خالد (مترجم)، محمد عثمان (ڈیزائنر و کمپوزر) اور جناب حسان عارف (پبلشر) کا شکر گزار ہوں، جو اس کی تدوین واشاعت میں شامل رہے۔ اگر اسی طرح اِن تمام افراد کا تعاون رہا تو ہم مزید کتب اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔

صاحبزادہ محمد امانت رسول
چیئرمین، ادارۂ فکر جدید، لاہور
10 مارچ 2023ء/ 17 شعبان 1444ھ

مقدمہ

مجھ سے ایک نوجوان نے ''حدیث'' سے متعلق یہ سوال کیا تھا کہ اگر حدیث بھی دین ہے تو وہ قرآن کی طرح ایک نسخے کی صورت اور محفوظ کیوں نہیں ہے؟ ہم دیکھتے ہیں حدیث کی کتب بھی مختلف ہیں اور ان میں روایت کردہ احادیث پہ بھی شدید اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات راویوں کے متعلق بھی ہیں اور متن میں بھی۔ یہ اختلاف ثقاہت، ضعف اور وضع کا بھی ہے۔ ہر فرقہ اور گروہ اپنی بات اور موقف کے ثبوت میں حدیث پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی نماز جمعہ کے بعد دعا کرتا ہے تو اُس کے پاس بھی حدیث ہے اور جو دعا نہیں کرتا، وہ بھی روایت نقل کرتا ہے۔۔۔ رفع یدین کرنے والا حدیث نقل کرتا ہے اور نہ کرنے والا بھی۔ عبادات سے معاملات تک ہر حوالے سے اختلافات ہیں اور اس کی بنیاد حدیث ہے۔ اگر حدیث دین ہے تو پھر ایک ہی امت میں دین مختلف کیوں ہے؟ یہ سوال بہت اہم تھا۔ اس سوال کا ہم جائزہ مختلف پہلوؤں سے لیں گے تا کہ ہم سمجھ سکیں کہ حدیث کا مقام کیا ہے؟ اس سے متعلق معاملات کیا ہیں؟ اور ان سے متعلق ہمارا طرز فکر کیا ہونا چاہیے؟ حدیث کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

((کل ما اضیف الی النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر او صفة .))

ہر وہ قول یا فعل یا تقریر یا صفت جس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہو، اسے حدیث کہتے ہیں۔ یعنی حدیث وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے منسوب ہے خواہ وہ صحیح ہے یا موضوع، یا ضعیف ہے۔۔۔ منکر ہے یا شاذ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان

ایک وہ تھا جو رسول اللہ کی زندگی میں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سفر و حضر اور جنگ و امن میں وقت گزارا۔ کوئی بھی معاملہ ہوا، اُس کے متعلق آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فیصلہ فرمایا یا جو امور و معاملات میں فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسے براہِ راست سنا اور اُس پہ عمل کیا۔ وہ عمل انفرادی بھی ہوسکتا ہے اجتماعی بھی۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا کہ وہ اِس میں عافیت خیال کرتے تھے کہ کسی معاملے میں قولِ رسول یا طریقۂ رسول معلوم ہو جائے اور وہ فیصلہ کر دیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب اقوال و افعال کو لکھ لیا جائے، انھیں جمع کر لیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے سے، یہ تحریک خاص طور پر شروع ہوئی۔ اُس کے بعد حدیث کے باقاعدہ مجموعے وجود میں آنے لگے۔ ان احادیث کو جانچنے اور پرکھنے کے معیارات بھی وجود میں آنے لگے یوں علم الحدیث وجود میں آ گیا۔ اس ذخیرے کو جانچنے کے لیے اصولِ حدیث قائم کیے گئے۔ یہ سب ائمہ حدیث اور محدثین کی طرف سے بلا شبہ بہت بڑی خدمت اور کارنامہ ہے جو انھوں نے سرانجام دیا۔ انھوں نے یہ خدمت رسول اللہ سے محبت و تعلق میں سرانجام دی۔ ہمارے ہاں ایک بہت بڑا اشکال و ابہام یہاں سے پیدا ہوا کہ جب کہا گیا کہ حدیث کے ذخیرے اور اصول حدیث پہ کام تو کئی صدیوں بعد شروع ہوا۔ یہ مجموعے بہت دیر بعد وجود میں آئے۔ اس کے جواب میں اطاعت رسول کی آیات نقل کی گئیں اور اس طرح قرآن سے ثابت کیا گیا کہ ذخیرۂ احادیث کی پیروی لازم ہے۔ مثال کے طور پر

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾﴾ (النساء: 59/4)

''اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں، پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لاؤ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔''

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝80﴾ (النساء: 80/4)

''جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا، اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝64﴾

(النساء: 64/4)

''اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، اور جب انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تو تیرے پاس آتے، پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کی معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً یہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے۔''

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝92﴾ (المائدة: 92/5)

''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور بچتے رہو، پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔''

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝54﴾

(النور: 54/24)

''کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمھارے ذمہ لازم کیا گیا ہے، اور اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴾

(محمد: 33/47)

''اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔''

اِن آیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار بالخصوص منافقین آپ ﷺ کی حیثیت نبوت کو چیلنج کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت بحیثیت نمائندہ خداوندی تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ ان کا رویہ تھا کہ خدا کی بات ہم ماننے کے لیے تیار ہیں یا مانتے ہیں لیکن آپ کی بات نہیں مانیں گے اور آپ کی فرمانبرداری نہیں کریں گے۔ انھیں خبردار کیا گیا کہ رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اِن دو اطاعتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رسول پہ وحی اترتی ہے وہ تمھیں قرآن دیتا ہے، بتاتا ہے کہ مجھ پہ یہ وحی اترتی ہے۔ اس پہ ایمان لاؤ گے، وحی کو مانو گے؟ اُس کی فرمانبرداری ہی سے خدا کی فرمانبرداری تک پہنچو گے۔ جب یہ آیات ذخیرۂ حدیث کے باب میں نقل کی جاتی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس شکل میں دین کی پیروی کریں۔ وہ وقت آسان تھا جب رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے بتایا اور لوگوں نے عمل کر لیا اور لوگوں نے آپ کو دیکھا اور عمل کر لیا جب کہ اب صورتِ حال مختلف ہے۔ اب آپ ﷺ موجود نہیں اور احادیث کا ذخیرۂ کتب موجود ہے اور ان میں ایک بات دوسری بات سے مختلف ہے۔ راویوں کا اختلاف، مَتن کا اختلاف ہے بلکہ احادیث روایت بالمعنی میں ہیں۔ روایت باللفظ میں اس کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

آج کی صورتِ حال میں حدیث پہ جرح کرنے والے اور دورِ رسالت میں مقام رسالت و نبوت کا اُنکار کرنے والے ہرگز ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ قلبی مرض کا شکار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت و حجیت کے انکاری تھے۔ وہ ایمان کے دشمن تھے۔ وہ بغض رسول میں مبتلا تھے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ رسول اللہ خود تشریف فرما نہیں ہیں۔ آپ ﷺ سے منسوب اقوال کثرت سے موجود ہیں اور اُس کثرت پہ بھی خود اہل علم وفن کا شدید اختلاف ہے۔ اب مسئلہ رسالت و نبوت کے اختلاف کا نہیں ہے۔ ذاتِ رسول ﷺ آج جلوہ افروز ہوتی تو کسی مسلمان کی کیا مجال تھی کہ آپ کے ارشادِ عالی سے اختلاف کرتا۔ جو اختلاف کرتا وہ منافق و کافر قرار پاتا۔ اب مسئلہ منسوب قول و فعل کا ہے۔ اِس پہ پہلے ہی سے علماء و محدثین کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ وہ اشکال و ابہام ہے جسے ہر صورت میں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ امت کے افراد پہ یہ حقیقت واضح ہونی چاہیے کہ کوئی مسلمان آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اختلاف کی جرات نہیں کرسکتا۔ یہ اختلاف خالصتاً علمی اور فکری ہے۔ اس کے حل کے لیے بھی علمائے امت کو علمی رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہم کسی شخص کے اسلام یا کفر کا فیصلہ کرنے کی بھی جرأت نہیں رکھتے۔ ہمیں بات سمجھنی ہے اور آگے بڑھنا ہے۔ اسلام بھی واضح ہے اور کفر بھی۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ حدیث منقول و منسوب اور ذاتِ رسول میں بنیادی فرق ہے۔ اگر کوئی حدیث کا انکار کرتا ہے یا اس پہ جرح کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ذات رسول ﷺ اور مقام رسالت و نبوت کا منکر یا اس پہ معترض ہے بلکہ اُس کا یہ اعتراض و جرح ''روایت و درایت'' کی بنیاد پہ ہے۔ وہ ''راوی'' کے کردار، اخلاق، علم وتقویٰ، ذاتی خوبیوں اور خامیوں کی بنیاد پر اور درایت کے نقص وضعف کے سبب اس پہ کلام کرتا ہے۔ یہ خدمت اپنے اپنے زمانے کے تمام محدثین اور علمائے کرام نے سرانجام دی ہے۔ خاص طور پر محدثین

نے حدیث کی روایت و درایت کے سلسلے میں جو خدمات سرانجام دی ہیں، وہ علم الحدیث کے باب میں نہ صرف کافی ہیں بلکہ اُن میں اضافے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔علم الحدیث کی آخر ضرورت کیوں پیش آئی؟ محدثین نے اس پہ کام کیوں کیا؟ اُس کا واحد سبب ''ذاتِ رسول ﷺ'' ہے۔ آپ کی ذات سے عقیدت و محبت اور تعلق ہے۔مسلمان کا یہ ایمان و عقیدہ ہے کہ ہماری نجات آپ کے لائے ہوئے دین سے وابستہ ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے زمانے میں اور ما بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب اقوال و افعال عام ہونے لگے اور کثرت سے روایت ہونے لگے تو مسلمانوں کے اکابر علماء نے اِس کی حفاظت کا اہتمام کرنے کا آغاز کیا۔ایک سبب یہ تھا کہ وہ برگزیدہ چنیدہ افراد دنیا سے جا چکے تھے یا جا رہے تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی، جو عینی گواہ تھے اور جنھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شب و روز گزارنے کا موقع ملا۔اُن کے بعد وہ خوش نصیب جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت و مجلس نصیب ہوئی۔ انھوں نے براہ راست صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ، روایات اور فیصلوں کو سنایا، اُن کے زمانے میں اکتسابِ علم کیا۔ایک جذبہ و شوق رسول اللہ سے منسوب ہر بات کو محفوظ کرنے کا تھا۔ دوسرا احساس یہ بھی تھا کہ کوئی بات رسول اللہ کی طرف غلط منسوب نہ ہونے پائے۔اِس کے بعد باقاعدہ علم الحدیث وجود میں آیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری کو کتابتِ حدیث کی ذمہ داری سونپی تھی۔

ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے:

((فمن اول من صنف فی ذلك القاضی ابو محمد الرا مهر مزی کتابه المحدث الفاصل .))

یعنی قاضی ابو محمد رامہرمزی رحمہ اللہ اُن اول مصنّفین سے ہیں جنھوں نے علم الحدیث پہ لکھا۔قاضی صاحب کی وفات 360ھ میں ہوئی۔گویا علم الحدیث کے مرتب ہونے کا آغاز

چوتھی صدی ہجری سے ہوتا ہے۔یہی بات ڈاکٹر محمود الطحان اپنی کتاب تیسیر مصطلح الحدیث کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''آخر جب علوم پختہ ہوئے اور اصطلاحیں مقرر اور ثابت ہوگئیں اور ہر فن اپنے غیر سے جدا ہوکر مستقل شکل اختیار کر گیا اور یہ سب کچھ چوتھی صدی ہجری میں ہوا، یعنی علماء نے علم مصطلح کو الگ مستقل کتاب میں لکھا تو سب سے پہلے جس عالم نے اس علم کو مستقل کتابی شکل دی، وہ قاضی ابو محمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی ہیں جنھوں نے اس فن پر اپنی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی۔''

اس کتاب کے تعارف میں وہ لکھتے ہیں:

''مگر یہ کتاب علم المصطلح کی جملہ ابحاث کی جامع نہیں ہے اور یہ بات بدیہی بھی ہے کیوں کہ کسی بھی علم میں ابتدائی کتاب تصنیف کرنے والے ہر مصنف کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔''

اِس مختصر سے بیان کے بعد دو باتیں جدا اور متفرق ہو جاتی ہیں۔ایک صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال وتقاریر کو جن سے استفادہ کیا جاتا تھا من وعن ظاہر کے مطابق یا اس کی روح کے مطابق محفوظ کیا گیا۔ بعد کے زمانے میں باقاعدہ ان کی کتابت کا اہتمام کیا گیا۔ اِس کے ساتھ ہی تنقیح وتحقیق کا سوال پیدا ہوا۔اسی سے جرح وتعدیل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔صحیح مسلم کے مقدمے میں ابن سیرین کا یہ قول امام مسلم نے نقل کیا ہے:

''پہلے حضرات صحابہ وتابعین اسناد کے بارے میں کچھ نہ پوچھتے تھے (اور اس سے متعلق تعرض نہ کرتے تھے) لیکن جب فتنوں نے سر اٹھایا (اور نفس پرستی کا دور دورہ ہونے لگا) تو (اب اگر کوئی شخص کوئی حدیث یا خبر سناتا تو) یہ حضرات

کہتے (پہلے) ہمیں (اپنی خبر کے) رجال کے نام بتلاؤ۔ پس دیکھا جاتا تھا کہ اگر تو اس کے ناقل معتمد علیہ اہل سنت اور اہل علم ہوتے تو اس روایت اور خبر کو لے لیا جاتا اور اگر وہ اہل بدعت ہوتے تو ان کی خبر کو چھوڑ دیا جاتا۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ وہی احادیث قبول کرتے جس کا راوی فقیہہ ہوتا۔ یوں کثرتِ روایت نے علماء کو حزم و احتیاط کی طرف متوجہ کیا جس کا علمی نتیجہ کتابتِ حدیث اور اصول حدیث کی صورت میں سامنے آیا۔ ہمارے ہاں کتابت حدیث پہ دو طبقوں کی طرف سے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ اُن روایات کو بیان کرتا ہے جن کے مطابق لکھنے سے منع کیا گیا۔ دوسرا طبقہ وہ روایت نقل کرتا ہے جن میں لکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ دونوں روایات کتب احادیث میں موجود ہیں، مثال کے طور پر ''تم مجھ سے کوئی بات نہ لکھو اور جس آدمی نے قرآن مجید کے علاوہ مجھ سے کچھ سن کر لکھا ہے، وہ اُسے مٹا دے'' اور ''مجھ سے سنی ہوئی احادیث بیان کرو، اس میں کوئی گناہ نہیں'' اور ''جس آدمی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے'' یہ روایت بھی بیان ہوتی ہے کہ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: ایک صحابی نے اپنے حافظے کی شکایت کی کہ وہ حدیث بھول جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور (یہ فرما کر) آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کی طرف اشارہ کیا۔''

ہمارے خیال میں یہ بحث غیر اہم و غیر ضروری ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی راہنمائی سیاسی، معاشرتی، معاشی، خاندانی، عسکری، ریاستی معاملات میں اتنی راسخ اور مرکز و محور تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کی عملیت پذیری کتابت کی محتاج نہ تھی۔ اگر کسی صحابی نے کچھ لکھنا چاہا تو موقع محل کے حساب سے آپ نے اجازت بھی دے دی اور کہیں منع بھی فرما

دیا لیکن اِس مسئلے کو بطور دلیل حق و خلاف بیان کرنا خارج از بحث و موضوع ہے۔ اسی لیے امام نووی (شارح صحیح مسلم) نے لکھا ہے: ''علی الاطلاق کتابت کسی بھی زمانے میں ممنوع نہ تھی۔'' یعنی لکھنے والوں کو منع نہیں کیا گیا اور نہ لکھنے والوں کو حکم کتابت بھی نہیں دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے متعلق معاملات و امور اس کے محتاج نہ تھے۔ کئی صحابہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد بیان کرنے میں بھی احتیاط کرتے تھے اور کثرت سے احادیث روایت کرنے کے عمل کو پسند نہ فرماتے تھے۔ سنن ابن ماجہ میں سائب بن یزید سے روایت ہے کہ: ''میں نے سعد بن مالک کے ساتھ مدینے سے مکے تک کا سفر کیا لیکن ایک حدیث بھی اُن سے نہ سنی۔ شعبی کہتے ہیں: ''میں ابن عمر کے ساتھ تقریباً ایک سال رہا لیکن ایک حدیث بھی نہیں سنی۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ حدیث نہ بیان کی وجہ بیان کرتے اور وہ حدیث بیان کرتے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔''

جمع حدیث سے متعلق شیخین کا عمل کیا تھا، حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((جمع ابی الحدیث عن رسول الله و کانت خمس ماة حدیث.)) (تذکرة الحفاظ)

''میرے والد نے رسول اللہ کی حدیثوں کو جمع کیا اور یہ 500 حدیثوں کا مجموعہ تھا۔''

فبات لیلة یتقلب کثیراً ''رات کو اس حال میں گزارا کہ کروٹوں پہ کروٹیں بدلتے رہے''۔ فرماتی ہیں: (فغمنی) ''مجھے اس نے تشویش میں ڈال دیا''۔ والد صاحب سے پوچھا: (اتتقلب لشکوی او لشیئی بلغك) ''آپ کروٹیں کیوں بدل رہے ہیں؟ کیا کوئی تکلیف ہے یا کوئی ایسی بات پہنچی ہے جو پریشان کر رہی ہے؟'' صبح مجھے فرمایا: (هلمی الاحادیث التی عندك) ''حدیث کا مجموعہ جو تمھارے پاس ہے، میرے پاس لاؤ۔''

(فدعا بنار فاحرقا) ''آگ منگوائی اور اُسے جلا دیا۔'' فرمایا:

((خشیت ان اموت و ھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد أٔلمنته وو ثقت ولم یکنا کما حدثنی فالون قد تقلت ذایك.))

''مجھے ڈر ہوا کہ میں مر جاؤں اور یہ کتاب میرے پاس رہے اور اس میں ایک آدمی کی روایتیں ہوں۔ اور یہ ایک آدمی ایسا ہو کہ میں نے اس پر بھروسا کیا لیکن بات وہ نہ ہو جو اس نے بیان کی اور میں نے اُسے نقل کر دیا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ السنن کو لکھیں۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور بزرگوں نے کہا کہ لکھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ تک استخارہ کیا۔ پھر نہ لکھنے کا فیصلہ کیا۔

((فاصبح یوما و قد عزم اللہ له فقال انی کنت اردت ان اکتب السنن وانی ذکرت قوما کانو قبلکم کتبوا کتبا فکرا علیھا و ترکوا کتاب اللہ وانی و اللہ لا البس کتاب اللہ بشیئی.))

''ایک دن صبح ہوئی اور حق تعالیٰ اِن میں عزم کو پختہ فرما چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے چاہا تھا ''السنن'' کو لکھوں تو مجھے یاد پڑے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے انھوں نے کتابیں لکھیں اور ان پر ٹوٹ پڑے اور اللہ کی کتاب کو انھوں نے چھوڑ دیا۔ قسم ہے اللہ کی، میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ گڈمڈ ہونے نہیں دوں گا۔''

حضرات ابوبکر، عمر، ابن عمر، ابن عباس، عباس بن عبدالمطلب، حضرت زبیر، عبداللہ بن زبیر، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے جید صحابہ روایتِ حدیث میں نہ صرف احتیاط برتتے بلکہ

حضرت عمر جیسے صحابی تو سختی بھی فرماتے تھے، جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ ہوا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ تین مرتبہ سلام کیا جواب نہ ملنے پر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوا کر پوچھا: کیوں چلے گئے؟ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ سلام کرے اور اندر سے آنے کی اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا ثبوت لاؤ ورنہ میں تمھاری خبر لوں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو واقعہ بیان کر دیا۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نے یہ بات سنی ہے۔ ایک صاحب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی خبر دینے گئے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک احتیاط کہ کوئی بات رسول اللہ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ دوسری وجہ شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی جو سیرت رسول ہی کا نمونہ تھی۔ ہم آگے چل کر اس پہ بات کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عملی زندگی میں آپ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں، فتوؤں اور مشوروں سے استفادہ کرتے اور عملاً ان کی پیروی کرتے۔ یہ احتیاط فرد واحد کی روایت کی بنیاد پہ ہے۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات بیان کی جائے اور لوگوں میں جو ہستی معیار ہدایت و رہنمائی ہے، اُسی ذات سے تعلق وعقیدت کو غلط استعمال کر کے مسلمانوں میں غیر دینی تصورات کو عام کیا جائے۔ اب درایت و روایت کی وضاحت ہوجائے تو بہتر ہوگا تا کہ ہم مزید بات بڑھا سکیں۔

((علم درایت الحدیث اهم علم باحث عن المعنیٰ و المفهوم من الفاظ الحدیث و عن المراد منها مبنیّاً علی قواعد العربیة وضوابط الشریعة و مطابقاً لِا احوالِ النبی ﷺ .))

(طاش کبری زاده، مفتاح السعاده و مصباح السیاده۔ درایة الحدیث)

''درایتِ حدیث اہم علم ہے جس میں الفاظ حدیث سے سمجھے گئے مفہوم و مراد سے بحث ہوتی ہے جب کہ وہ عربی قواعد و شرعی ضوابط پر مبنی اور رسول اللہ کے احوال کے مطابق ہو۔''

یعنی درایت میں حدیث کے الفاظ سے جو متبادر مفہوم ہے اس پہ بات کی جاتی ہے۔ اس کے لیے تین باتیں ہیں: عربی قواعد، شرعی ضوابط اور احوالِ رسول۔ درایت کا معنی ''معرفت'' ہے۔ درایت یہی ہے کہ حدیث کا متن یعنی الفاظ اور جملے کسی خامی ونقص کے حامل تو نہیں۔ مقررہ قواعد وضوابط کے خلاف تو نہیں۔ دین کے مسلمہ اصولوں، عقل، مشاہدے، اور انسانی تجربے کے خلاف تو نہیں۔ آپ ﷺ سے منسوب یہ ارشاد شانِ نبوت کے خلاف اور سطحیت کا پہلو تو نہیں رکھتا۔ اِسے درایت حدیث کہتے ہیں۔ اِسے علم المصطلح یا علمِ اصولِ حدیث کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

علم روایت الحدیث یعنی یہ وہ علم ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے اقوال، احوال اور افعال روایت کیے جاتے ہیں۔ اِسے ہی علم متن الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔

((هو علم بنقل اقوالِ النبی و افعاله و احواله با سماع المتصل و ضبطها و تحریر ها .))

گویا محدثین (قولِ رسول) حدیث کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں: روایت اور درایت۔۔۔ روایت میں سند دیکھتے ہیں متصل ہے یا نہیں۔ راوی ثقہ ہے یا نہیں۔ سند متصل ہو اور راوی ثقہ ہو۔ اہل تشیع کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ اُن کے ائمہ سے مروی ہو۔۔۔ معتزلہ کے ہاں قبولِ حدیث کا معیار عقل ہے یعنی وہ صرف وہی حدیث کو قبول کرتے جو اُن کے عقلی منہج پہ پوری اترتی تھی یا پھر اُس کی تاویل کرتے تھے۔ یہاں متواتر کی بھی وضاحت کر دوں۔ علمائے اصولِ حدیث کے نزدیک متواتر سے مراد وہ خبر، حدیث اور روایت مراد لی جاتی ہے جسے روایت کرنے والے لوگوں کی تعداد اس قدر

زیادہ ہو کہ عقل و عادت ان سب کے جھوٹ پر متفق ہونے کو ناممکن قرار دے۔ متواتر اِن چار شرائط سے بنتی ہے:

① اسے بے شمار لوگوں نے روایت کیا ہو۔

② رواۃ حدیث کی کثرت شروع سے آخر تک ہو۔

③ رواۃ کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

④ راویانِ حدیث کی خبر کا تعلق حس سے ہو (یعنی وہ کوئی دیکھی اور سنی جانے والی بات ہو)۔

یاد رکھئے! اِن متواتر اخبار و احادیث کی تعداد اخبار آحاد کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں۔ امام شافعی خبر آحاد کی تعریف کرتے ہیں: ایک راوی ایک راوی سے روایت نقل کرے یہاں تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ تک یا ان سے نیچے راوی تک پہنچ جائے۔

((خبر الواحد عن الواحد حتی ینتھی به الی النبی ﷺ .)) (الرسالہ)

یہ مختصر سی تحریر ''حدیث'' کے حوالے سے تھی۔ آپ نے دیکھا کہ میں نے اس میں صرف ''حدیث'' پہ بات کی ہے اور یہ موقف پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ علمائے کرام کے مابین حدیث پہ اختلاف فطری ہے کہ بعد از وفاتِ رسول پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرام موجود تھے۔ صحابہ کرام کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ موجود تھی لیکن بعد میں بہت سے امور میں اختلاف ہوا تو رسول اللہ کے اسوہ سے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ جب فتوحات سے اسلامی سلطنت وسیع ہوئی تو مختلف رنگ، نسل، تہذیب اور کلچر سے تعلق رکھنے والے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے مزاج، طبائع، طبقات اور قومیت کے اثرات لے کر آئے۔ ایسے حالات میں احادیث کا ذخیرہ متعین ہوا۔ اسلام میں داخل ہونے والے اور پہلے سے مسلمان اِن روایات و مرویات سے استفادہ کرنے لگے۔ جہاں تنوع اور اختلاف نظر آئے، اُسے دین سے متعلق کرنے کے بجائے اور حدیث کے ذخیرے کو دین یا ماخذ دین قرار دینے کے بجائے اُسے ارتقاء و تدریج کے تناظر میں دیکھا جائے جو مسلم معاشرے میں نظر آتی ہے۔

اب یہ موقع ہے کہ میں حدیث کے بعد سنت کی وضاحت کر دوں کیونکہ حدیث کی روایت پہ اختلافات اور راویوں کے حالات کے باوجود قرآن مجید کے علاوہ ایک اور حجت بھی ہے جو مسلمانوں میں قائم و دائم رہی، وہ ''سنت'' ہے۔ یہ لفظ اولٰ زمانے سے حدیث سے الگ اور مختلف استعمال ہوا ہے بلکہ جب لفظ حدیث مستعمل نہیں تھا، اُس وقت بھی سنت کا وجود تھا۔ سنت کے معنی ہیں واضح راستہ، معروف راستہ۔ ابن الاثیر اس کے معنی طریقہ اور سیرت لکھتے ہیں۔ جرجانی اِسے عادت کہتے ہیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

((سنَّ سنة حسنة ، طرق طريقة حسنة .))

''اس نے سنت جاری رکھی یعنی اچھا طریقہ اختیار کیا۔''

((و استنَّ بسنة فلان .))

''اس نے فلاں کی سنت کی پیروی کی۔''

مُتَسَنّن: عامل بالسنة، سنت پہ عمل کرنے والا۔

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

((سن الله سنة تبين طريقاً قوياً .))

''اللہ نے پختہ راستہ واضح کیا۔''

اچھی اور بری عادات دونوں پر سنت کا لفظ بولا جاتا ہے:

((من سن سنةً حسنة فله اجر ها و اجر من عمل بها و من سن سنة سيِّة فله اجر ها و اَجر من عمل بها .))

''جس نے سنۃ حسنہ جاری رکھی، اسے اور اس پر عمل کرنے والے کو اجر ملے گا، اور جس نے سنۃ سیئہ جاری رکھی اسے اور اس پر عمل کرنے والے کو سزا ملے گی۔''

لیکن رسول اللہ ﷺ سے جاری کردہ سنت خیر ہی خیر ہے۔

شرح التلويح على التوضيح میں علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

"فی اللغة الطريقة والعادة فی الاصطلاحِ فی العبادت النافلة و فی الادلة و هو المراد هنا ما صدر عن النبی ﷺ غير القر آن من قول و يسمى الحديث او فعل او تقرير .))

لغت میں طریقہ اور عادت ہیں اور اصطلاح میں نفلی عبادات ہیں۔ دلائل شرعیہ میں نبی کریم ﷺ سے قرآن کے علاوہ جو کچھ قول جسے حدیث کا نام دیا گیا ہے یا فعلاً یا تقریراً صادر ہوا۔ سنت: احادیث صحیحہ کی بنیاد پر جو ثابت ہو، وہ سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طے کیا ہوا طریقہ جو آپ ﷺ نے امت کو سکھایا اور جو قرآن مجید کے منشا اور معانی کی تفسیر و تشریح کرتا ہے، اُس طریقے کو سنت کہتے ہیں۔ امام مالک سنت میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین ان تینوں کا طرزِ عمل اور طریقہ شامل کرتے ہیں۔ موطاء امام مالک میں کئی مقامات پہ خاص عمل کو سنت قرار دیا ہے۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صحابی یا فلاں تابعی یہ عمل کرتے تھے۔

سنت و حدیث میں فرق: وہ طریقہ جس کی اتباع کا حکم دیا گیا، وہ سنت ہے۔ مشہور محدث امام عبدالرحمٰن بن مہدی اِن کے فرق کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر وہ سفیان ثوری کو امام فی الحدیث اور امام اوزاعی کو امام فی السنۃ اور امام مالک کو امـام فيهما (ان دونوں میں امام) کہتے ہیں جب کوئی محدث درایت پر بحث کرتا ہے تو کہتا ہے:

((هذا الحديث مخالف للقياس والسنة و الاجماع .))

''یہ حدیث قیاس سنت اور اجماع کے مخالف ہے۔''

فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے:

((تعلمو الفرائض و السنة كما تتعلّمون القر آن .))

''فرائض اور سنت کی اسی طرح تعلیم حاصل کرو جیسے تم قرآن کی تعلیم حاصل

کرتے ہو۔''

امام ابوحنیفہ کی رائے:

((ما جاء عن الرسولِ فعلى الرأس والعينِ و ما جاء عن الصحابى تخيرنامنه و اما ماجاء عن التابعين فهم رجال و نحن رجالٌ .))

''جو رسول اللہ سے مروی ہے وہ سر آنکھوں پر۔ جو صحابہ سے منقول ہے، اس میں ہم قول مختار لیں گے اور تابعین کی روایات کے بارے میں ہماری روش یہ ہے کہ ہم ان کے قول کے ردّ و اختیار کے معاملے میں آزاد ہیں کیونکہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔''

((قال كان جبرئيل ينزل على رسولِ اللهِ بالسنةِ كما ينزل عليه بالقرآن و يعلمه اياها كما يعلمه القرآن .)) (سنن دارمی)

''جبرئیل رسول اللہ پر سنت ایسے نازل کرتے تھے، جیسے قرآن مجید نازل کرتے تھے اور سنت اسی طرح سکھاتے جیسے قرآن سکھاتے تھے۔''

امام شافعی سنت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فلم اعلم من اهلِ العلمِ مخالفاً فى ان سنن النبى من ثلاثةِ وجوه فاجتمعوا منها على وجهين ، والوجهان يجتمعانِ ويتفرقان احدهما ما انزل الله فيه نص كتاب فبين رسول الله مانص الكتاب الاخر:ما انزل الله فيه جملة كتاب ، فبين عن الله معنى ماارادِ ، وهذان الوجهانِ اللذان لم يختلفوا فيهما و الوجه الثالث ما سن رسول الله فيما ليس فيه نص كتاب فمنهم من قال جعل الله له بما افترض من طاعته و سبق فى

عـلـمه من توفيقه لرضاه ان يسن فيما ليس فيه نص كتاب ......
ومنهم من قال لم يسن سنة قط الا ولها اصل فى الكتاب .))

(الرساله)

''امام شافعی فرماتے ہیں: میں اہل علم میں سے کسی کونہیں جانتا جو اس کا مخالف ہو کہ نبی کی سنت کی تین اقسام ہیں: دو قسمیں جن میں ایک صورت یہ ہے کہ نص کتاب اللہ ہے اور رسول اللہ نے نص کتاب کے مطابق حکم دیا۔ دوسری صورت: اللہ تعالیٰ نے اجمالاً بیان کیا رسول اللہ نے اللہ کی طرف سے ان کی وضاحت فرما دی۔ اِن دونوں میں اختلاف نہیں ہے۔ تیسری صورت: رسول اللہ نے کوئی حکم فرمایا اور اس کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ اس پہ اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے اللہ نے آپ ﷺ کی اطاعت فرض کی ہے تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ جس معاملے میں کتاب اللہ کا کوئی حکم مخصوص موجود نہ ہو اس کے متعلق حکم صادر فرمائیں جب کہ دوسری جماعت کا کہنا ہے آپ کی کوئی سنت ایسی نہیں ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔''

علم الحدیث کی تشکیل و تدوین اور روایت و درایت کے اصول وضوابط وضع کرنے کے بعد سنت کی تعریف میں علمائے کرام نے اِسے حدیث کے مترادف قرار دیا۔ بعض نے سنت سے صرف فعل رسول مراد لیا اور ان کے نزدیک حدیث سے قول رسول مراد ہے لیکن ہمیں ایسی روایات ملتی ہیں جن میں اِن دونوں کی نشاندہی علیحدہ علیحدہ کی گئی ہے۔ چند حوالے مندرجہ ذیل ہیں:

① ...... ((ان الامـانة نزلت من السماء فى جذر قلوب الرجال ونزل القر آن فقرووا القر آن و علمو من السنة .))

''امانت (وحی الٰہی) آسمان سے لوگوں کے دلوں کی تہہ میں نازل کی گئی اور قرآن اُترا۔ انھوں نے قرآن مجید پڑھا اور سنت سیکھی۔'' (بخاری و مسلم)

②...... ((تـركت فكم امرين لن تضلو ما تمسكتم بهما كتاب الله و سنة نبيه .))

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ جب ان دونوں کے ساتھ جڑے رہو گے گمراہی سے بچے رہو گے۔ ایک کتاب اللہ دوسری سنت رسول اللہ۔''

③...... ((سيـاتيـكـم عنى احاديث مختلفة فما جاء كم موافقاً لكتاب الله وسنتى فهو منى و ما جاء كم مخالفاً لكتاب الله و سنتى فليس منى .)) (مسند الفر دوس ميزان الاعتدال ، مفتاح الجنة)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت۔ پھر تمھارے پاس مختلف احادیث آئیں گی جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مطابق ہو، وہ مجھ سے ہے اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے خلاف ہو، وہ مجھ سے نہیں۔''

④...... ((لا انی او تیت الکتا ب و مثله .))

''خبردار! مجھے کتاب اور اُس جیسا (علم) ساتھ دیا گیا ہے۔''

مثل سے مراد یہ ہے کہ جیسے قرآن پہ عمل کرنا واجب ہے، اسی طرح اس (سنت) پہ عمل کرنا بھی واجب ہے۔ کتاب و سنت دونوں جڑواں ہیں۔ دین اِن کے بغیر مکمل نہیں۔ سنت کتاب کا بیان ہے۔

⑤......ابن قیم لکھتے ہیں:

((مـنـاقـضة الحديث لما جا ء ت به السنة الصريحة منا قضة بينة .))

''قرآن ٹکرانے والی حدیث جس کا سنت صریحہ کے خلاف ہونا واضح ہو۔یعنی ایسی روایت جو منسوب ہو رسول اللہ کی طرف اور سنت صریحہ کو توڑنے والی ہو، قابلِ ردّ ہے۔وہ بھی قابل ردّ ہے۔''

((او یکون مخالفا لِلقواعد العامة الماخوذة من القرآن و السنة .)) (مصطفی سباعی، السنة و مکانتها فی الشریع الاسلامی، علامات الوضع فی المتن)

''یا وہ حدیث جو ان قواعد عامہ کے مخالف ہو جو قرآن و سنت سے نکالے گئے ہوں۔''

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مخالفة الحدیث لصریح القرآن بحیث لا یقبل التاویل .))

(المنار المنیف)

''حدیث جو صریحِ قرآن کے خلاف ہو، اس کی تاویل قابل قبول نہیں۔''

⑥......امام شافعی لکھتے ہیں:

((ما سن رسول الله فیما لیس فیه نص کتاب .))

(الرسالة، باب ما ابان الله)

''رسول اللہ نے وہ سنتیں قائم فرمائیں جن کا صراحت سے قرآن میں ذکر نہیں ہے۔''

⑦...... ((السنة راجعة فی معناها الی الکتاب فهی تفصیل مجمله و بیان مشکله و بسط مختصره .))

(الموافقات جزء رابع لمسئالة الثالثة)

''سنت اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے قرآن ہی کی طرف رجوع ہوتی ہے۔وہ

(سنت) قرآن کے مجمل کی تفسیر مشکل کا بیان اور مختصر کی تشریح ہے۔"

علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں:

((فلا تجد فی السنة امراً و القرآن قد دل علی معناه.))

"سنت میں کوئی بات نہ پاؤ گے قرآن نے جس کے معنی پر دلالت نہ کی ہو۔"

علامہ ابوبکر جصاص نے اس پہ بہت خوبصورت گفتگو کی ہے، وہ کہتے ہیں:

((ان کل ما بالناس حاجة عامة فلا بد ان یکون من النبی ﷺ توقیف الامة علیه.)) (احکام القرآن)

"جن شرعی امور کی ضرورت مسلمانوں کو ہے۔ پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ امت کو اس سے واقف کریں۔"

((لما کانت البلوی عامة من کافة الناس بهذاالامور و نظائرها فغیر جائز ان یکون فیه حکم الله تعالیٰ من طریق التوقیف الاو قد بلغ النبی ﷺ ذالك و وقف الکافة علیه.))

"یہ یا ان جیسی چیزوں میں چونکہ عام لوگوں کو مبتلا ہونا پڑے گا اور ہر ایک کا ان سے تعلق ہو گا تو عام لوگوں کو اِن سے واقف کرانا خدا کی طرف سے ضروری ہوا۔ ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ پیغمبر نے اس کی یقیناً تبلیغ کی اور عوام الناس کو اِن سے واقف کرایا۔"

ابوبکر جصاص دو طریقوں میں فرق کرتے ہیں: ایک خبر واحد دوسرا کافة الی الکافة۔ وہ لکھتے ہیں:

((فهم مخیرون فی ان یفعلون ما شاؤا منه و انما الخلاف بین الفقهاء فیه فی الافضل منه.))

"مسلمانوں کو ان امور کے متعلق اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ فقہائے کرام میں

ان کے متعلق اختلاف جو کچھ ہے وہ افضلیت میں ہے، یعنی کرنا افضل ہے یا نہ کرنا افضل ہے۔"

یعنی جو شرعی امور لازم وضروری تھے، وہ امت میں شائع کر دیئے گیے جن پر امت ہمیشہ کار بند رہی ہے۔ جب کہ دوسرے امور جو لازم وضروری نہیں اور خبر آحاد سے ثابت ہیں، ان پہ ائمہ اور فقہاء کا اختلاف صرف افضل وغیر افضل کا ہے۔ سفیان ثوری فرماتے تھے: یہ نہ کہا کرو علمائے کرام نے فلاں مسئلے میں اختلاف کیا بلکہ یوں کہا کرو کہ امت کے لیے علماء نے یہ گنجائش پیدا کی (میزان شعرانی)۔ اختلاف رفع الدین اور آمین بالجہر وغیرہ امور کا تعلق اخبار آحاد سے ہے۔ اُن کے بارے میں ابوبکر جصاص کہتے ہیں:

((یحمل الامر علی ان النبی ﷺ قد کان منه جمیع ذالك تعلیماً منه وجه التخییر .))

"یہ سمجھا جائے گا کہ اِن میں ہر دو پہلو کا مسلمانوں کو اختیار ہے۔ اس کو بتانے اور اسی کی تعلیم دینے کے لیے نبی کریم ﷺ سے سب باتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔"

ابوبکر جصاص اسے "کافة الناس" قرار دیتے ہیں، جیسے نمازوں کی رکعتیں ہیں۔ ان پہ مسلمانوں کا صدیوں سے تعامل ہے۔ باقی وہ امور جو آحاد خبروں بالواحد عن الواحد سے ہم تک پہنچے ہیں، گویا اُن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکمت یہی تھی کہ آپ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا کہ اسے وہ شہرت اور عروج نہ مل سکا کیونکہ وہ دین کا تقاضا نہیں تھا۔

خیاط معتزلی عالم کہتے ہیں:

"اگر پوری امت رسول اللہ سے کوئی مخصوص روایت نقل کرے تو وہ غلط نہیں ہوسکتی۔" (الخیاط:94)

سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''آج کل عام طور سے حدیث و سنت میں فرق نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے بڑا مغالطہ پیش آتا ہے۔ حدیث تو ہر اس روایت کا نام ہے جو ذاتِ نبوی ﷺ کے تعلق سے بیان کی جائے، خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو، یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو، مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی عملی حالت و کیفیت جو اس طرح عملاً منقول ہوتی چلی آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود عمل فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا، پھر تابعین نے کیا۔ گو یہ زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں مگر عملاً متواتر ہے۔ اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہو اور اس لیے وہ متواتر نہ ہو، مگر اس کی عام عملی کیفیت متواتر ہو، اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے۔'' (معارف اگست 1929ء)

ایسے بہت سے حوالے ہمارے اسلاف کی کتب میں موجود ہیں جن سے اِس فرق کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حدیث کا لفظ کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور سنت کا لفظ کس معنی میں۔ اگرچہ محدثین اور فقہائے کرام نے حدیث کو قول اور سنت کو فعل قرار دیا اور اسے اس طرح محدود کر دیا لیکن اس کے باوجود اِن دونوں کو علیحدہ علیحدہ بھی استعمال کیا گیا۔ سنت کو قرآن مجید کے ہم پلہ اور مساوی بیان کیا گیا جب کہ حدیث کا معیار اور اسناد ہر درجے اور سطح کی موجود ہیں۔ حدیث یا روایت قرآن کے خلاف اور سنت کے متضاد بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے محدثین نے اُس کے پرکھنے اور جانچنے کا ایک پیمانہ تشکیل دیا ہے کیونکہ وہ کسی راوی کی روایت اور نقل ہوتی ہے۔ لیکن سنت وہ پختہ راستہ اور طریقہ ہے جو قرآن پہ بھی قاضی ہے۔ ہم دین کے جن امور کا ماخذ حدیث کو قرار دیتے ہیں اور حدیث و روایت کو بطور حجت بیان کرتے ہیں، حالانکہ وہ حدیث نہیں سنت ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں نماز کی فرضیت کا ذکر

ہے لیکن طریقہ نماز کا بیان نہیں ہے۔ وہ طریقہ نماز ہمیں سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی نماز پڑھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی پڑھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پنج وقتی نماز ادا کی۔ اس کے لیے کسی ایک روایت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نقل "کافة الی الکافة" ہے۔ یہ سنت وہ دین ہے جو تعاملِ مسلمین سے ہم تک پہنچا۔ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں تو حدیث کی کسی کتاب سے نہیں بلکہ امت کے اجماعی عمل سے سیکھتے ہیں۔ ہاں! نماز کے جزوی مسائل ہیں جن میں فقہائے کرام ہی کا نہیں محدثین کی روایات کا بھی اختلاف ہے۔ وہ مسائل راویوں کے بیان کردہ ہیں۔ اُن کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ جو کچھ دین سے ہے وہ ہمیں عملاً جماعت مسلمین سے منتقل ہو چکا ہے، اس لیے "وحی غیر متلو" کی اصطلاح مستعمل ہوئی۔ ایک وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے وہ قرآن مجید ہے، اور وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یعنی وہ عمل میں نافذ ہے، وہ وحی غیر متلو ہے۔

صاحبزادہ محمد امانت رسول

الموقظہ

امام ذہبی رحمہ اللہ کی تصنیف "الموقظہ" محدثین کے ہاں متداول رہی ہے۔علماء اصول حدیث نے اس سے خوب اعتناء کیا ہے کیونکہ امام موصوف کی علم الحدیث میں امامت مسلم و مثبت ہے۔اس کتاب سے پہلے اس فن میں المحدث الفاصل از امام رامہرمزی رحمہ اللہ متوفی ۳۶۰ھ، معرفۃ علوم الحدیث از امام حاکم رحمہ اللہ متوفی ۴۰۵ھ، الکفایہ و الجامع لاخلاق الراوی از خطیب بغدادی رحمہ اللہ متوفی ۴۶۳ھ، الماع از قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ، علوم الحدیث از علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ متوفی ۶۴۳ھ اور التقریب والتیسیر از امام نووی رحمہ اللہ متوفی ۶۷۶ھ جیسی معرکہ آراء تصانیف موجود تھیں۔ عموماً ان کتب کے بعد امام السیوطی رحمہ اللہ متوفی ۹۱۱ھ کی تدریب الراوی کا ذکر موقظہ سے زیادہ کیا جاتا ہے جب کہ "الموقظہ" اگرچہ امام موصوف کے استاذ تقی الدین محمد بن علی الشہیر بابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ کی تصنیف "الاقتراح فی بیان الاصطلاح" کا اختصار ہے لیکن یہ مختصر کتابچہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے تجزیہ و تحقیق اور اس پر ان کی رائے کے حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔امام ذہبی رحمہ اللہ نے اختصار کرتے وقت ۲۴ اصطلاحات کو درج کیا ہے جب کہ ان کے ضمن میں احوال راوی پر مفصل و مدلل کلام موجود ہے۔اس طرح محدثین کی جرح و تعدیل میں عبارات کی توضیح اور مختلف تعریفات میں مختلف اوجہ کو نقل کرنے کے بعد محاکمہ اس رسالے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

الموقظہ ہمارے پاس پہلی دفعہ ۱۹۸۰ء میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے شائع ہوکر آئی لیکن بعدازاں شیخ موصوف نے اس میں قیمتی حواشی کا اضافہ کیا۔اس کے پہلو بہ پہلو

آپ کے بیٹے سلمان عبد الفتاح کی آراء اس میں حواشی کے طور پر لکھی گی ہیں۔ اب اس کتاب کا آٹھواں ایڈیشن دارالسلام بیروت سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت یہی ہمارے پیش نظر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ایک شرح الشیخ شریف حاتم بن حارث العونی کی بھی ہے جس میں مدرسانہ پہلو زیادہ غالب ہے۔ گاہے گاہے اس سے بھی استفادہ کیا گیا۔

اللہ کریم کے فضل واحسان سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ میں اپنے تمام محسنین واساتذہ کا شکرگزار ہوں جن کی دعاؤں اور محنتوں کا ثمرہ ہے کہ راقم عاجز اس قابل ہوا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی مصطلح الحدیث پر مشتمل کتاب کو اردو میں منتقل کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ادارۂ فکر جدید کے چیئرمین استاذ صاحبزادہ محمد امانت رسول صاحب زید مجدہ کا سپاس گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب میں دلچسپی کا اظہار کیا اور اب ادارہ کے دارالترجمہ سے اس کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ اللہ کریم ادارے کو مزید علمی وفکری کاموں میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین! کتاب کے ترجمے میں غلطی کا پایا جانا خارج از امکان نہیں۔ ہر علمی کاوش کو بہتر بنانے کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ قارئین ومعلمین اس میں جہاں نقص دیکھیں بتقاضائے بشریت مجھے معذور سمجھیں مگر مجھے مطلع ضرور کریں تاکہ آئندہ اس کا ازالہ کیا جاسکے۔ اللہ کریم محض اپنے فضل واحسان سے اور نبی کریم ﷺ کے طفیل اس کاوش کو اپنی جناب میں قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد اسد اللہ خالد

مارچ 2023ء......شعبان 1444ھ

❀❀❀❀❀

والصلاة والسلام على محمد وآله وصحبه

رَبِّ زِدْنى عِلْمًا، ووَفِّقْ يا كريم.

أما بعد،

قال الشيخُ الإمامُ العالمُ العلاَّمة، الرُّحْلةُ المحقَّق، بحر الفوائد، و مَعْدِنُ الفرائد، عُمدةُ الحُفَّاظِ والمحدثين، و عُدَّةُ الأَئمةِ المحقَّقين، وآخِرُ المجتهدين، شمسُ الدين محمدُ بن أحمد بنِ عُثمانَ الذهبيُّ الدمشقى رحمه اللّٰه ونفعنا بعلومه و جميعَ المسلمين:

١ الحديث الصحيح

هو ما دَارَ على عَدْلٍ مُتْقِنٍ واتَّصَل سَنَدُه، فإن كان مُرسَلًا ففى الاحتجاج به اختلاف.

وزاد أهلُ الحديث: سلامتَهُ من الشذوذِ والعِلَّة- وفيه نظر على مقتضى نظر الفقهاء، فإنَّ كثيراً من العِلَل يأبَوْنها.

فالمُجْمَعُ على صِحَّتِه إذاً: المتصلُ السالمُ من الشذوذِ والعِلَّة، وأن يكون رُواتُه ذوى ضَبْطٍ و عدالةٍ و عدمِ تدليس.

فأعلى مراتبِ المجمَع عليه:

مالك، عن نافع، عن ابن عُمَر.

أو: منصورٌ، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبداللّٰه.

أو: الزهريُّ، عن سالم، عن أبيه.

أو: أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبی هريرة.

ثم بعدَهُ:

مَعْمَر، عن هَمَّام، عن أبی هريره.

أو: ابنُ أبی عَرُوبة، عن قتادة، عن أنس.

أو: ابنُ جُرَيج، عن عطاء، عن جابر، و أمثالُه.

ثم بعدَهُ فی المرتبةِ:

الليثُ، وزهيرٌ، عن أبی الزُّبَير، عن جابر.

أو: سِمَاكٌ، عن عِكرمة، عن ابن عباس.

أو: أبو بكر بن عَيَّاش، عن أبی إسحاق، عن البَرَاء.

أو: العلاءُ بن عبدالرحمن، عن أبيه، عن أبی هريرة، ونحوُ ذلك من أفراد البخاری أو مسلم.

① ...... حدیثِ صحیح

وہ حدیث جس کے راوی عادل و ضابط اور اس کی سند متصل ہو ''صحیح حدیث'' کہلاتی ہے۔ اگر وہ روایت مرسل ہے تو اس سے دلیل پکڑنے میں اختلاف ہے۔ محدثین نے حدیثِ صحیح کی ان شرائط پر اضافہ کیا ہے کہ وہ روایت شاذ نہ ہو اور نہ اس میں کوئی علت پائی جائے۔ فقہاء کے نزدیک علل محل نظر ہیں۔ بہت سی علل ایسی ہیں، جن کا فقہاء نے انکار کیا ہے۔

پس روایت کی صحت اس پر ہے جب کہ اس کی سند متصل ہو، شذوذ و علل سے سلامت ہو اور اس کے راوی عدم تدلیس والے اور عادل و ضابط ہوں۔

احادیث صیحہ کے مراتب:

پہلا مرتبہ:

مالك عن نافع عن ابن عمر یا

منصور عن ابراهيم عن علقمه عن عبداللّٰه يا
زهری عن سالم اور وہ اپنے والد سے يا
ابو زناد عن اعرج عن ابی هریره

دوسرا مرتبه:

معمر عن همّام عن ابی هریره يا
ابن ابی عروبه عن قتاده عن انس يا
ابن جریج عن عطاء عن جابر اور ان کی مثل

تیسرا مرتبه:

لیث و زهیر عن ابی زبیر عن جابر يا
سماك عن عکرمه عن ابن عباس يا
ابوبکر بن عیاش عن ابی اسحاق عن براء يا
علاء بن عبدالرحمٰن از والد خود عن ابی ہریرہ اور ان کی مثل۔
راویان حدیث جو بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

۲ الحَسَن

وفی تحریر معناه اضطراب، فقال الخَطَّابِیُّ رحمه اللّٰه:
هو ما عُرِفَ مَخْرجُه واشتَهَر رجالُه، وعليه مَدارُ أكثرِ الحديث، وهو الذی يَقبَلُه أكثرُ العلماء، ويَستعملُه عامَّةُ الفقهاء.

وهذه عبارةُ ليسَتْ على صِناعة الحدودِ والتعريفات، إذْ الصحيحُ يَنطَبقُ ذلك عليه أيضاً، لكنْ مُرادُه مما لم يَبْلُغ

درجةَ الصحيح .

فأقولُ: الحَسَنُ ما ارتَقَى عن درجة الضعيف، ولم يَبلغ درجةَ الصحة .

وإن شِئتَ قلتَ: الحَسَنُ ما سَلِمَ من ضعفِ الرُّواة- فهو حينئذ داخل فى قسم الصحيح .

وحينئذ يكونُ الصحيحُ مراتب كما قدَّمناه، والحسَنُ ذا رُتبةٍ دُونَ تلك المراتب، فجاء الحسَنُ مثلًا فى آخِرِ مراتب الصحيح .

وأما الترمذيُّ فهو أوَّلُ من خَصَّ هذا النوع باسم الحَسَن، وذَكَر أنه يُريدُ به: أن يَسلم روايه من أن يكون مُتَّهماً، وأن يَسلم من الشذوذ، وأن يُروَى نحُوهُ من غيرِ وجه .

وهذا مشكلٌ أيضاً على ما يقولُ فيه: حسَنٌ غريب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه .

وقيل: الحسَنُ ما ضَعْفُه محتَمَل، ويَسوغُ العملُ به .

وهذا أيضاً ليس مضبوطاً بضابطٍ يَتميَّزُ به الضَّعْفُ المحتمَل .

وقال ابن الصلاح رحمه الله: إنَّ الحسَنَ قِسمان:

أحدُهما: مالا يخلو سَنَدُه من مستورٍ لم تَتحقَّق أهليتُه، لكنه غيرُ مُغَفَّل ولا خطَّاءٍ ولا مَتَّهم، ويكون المتنُ مع ذلك عُرِفَ مثلُه أو نحوُه من وجهٍ آخر اعتَضَد به .

وثانيهما: أن يكون راويه مشهوراً بالصدق والأمانة، لكنه لم

يَبلغ درجةَ رجالِ الصحيح، لقصوره عنهم في الحفظ والإتقان، وهو مع ذلك يرتفعُ عن حالِ من يُعَدُّ تفرُّدُه منكراً، مع عَدَمِ الشذوذِ والعِلَّة.

فهذا عليه مؤاخذات.

وقد قلتُ لك: إنَّ الحسَنَ ما قَصُرَ سَنَدُه قليلاً عن رُتبة الصحيح ـ وسيَظهر لك بأمثله.

ثم لا تَطمَعْ بأنَّ للحسَنِ قاعدةً تندرجُ كلُّ الأحاديثِ الحِسان فيها، فأَنَا على إِياسٍ من ذلك، فكم من حديثٍ تردَّدَ فيه الحُفَّاظُ، هل هو حسَنٌ أو ضعيفٌ أو صحيح؟ بل الحافظُ الواحدُ يتغيَّرُ اجتهادُه في الحديثِ الواحد، فيوماً يَصِفُه بالصحة، ويوماً يَصِفُه بالحُسْن، ولربما استَضعَفَه.

وهذا حقٌّ، فإنْ الحديثَ الحَسَنَ يَستضعفُه الحافظُ عن أن يُرَقِّيَه إلى رتبةِ الصحيح، فبهذا الاعتبارِ فيه ضَعْفٌ مَّا، إذْ الحَسَنُ لا ينفك عن ضَعْفٍ مَّا، ولو انْفَكَّ عن ذلك لصَحَّ باتفاق.

وقولُ الترمذي: (هذا حديث حسَنٌ صحيح)، عليهِ إشكال، بأن الحَسَن قاصِرٌ عن الصحيح، ففي الجمع بين السَّمْتَيْنِ لحديثٍ واحدٍ مُجاذَبَة.

وأُجيبَ عن هذا بشيء لا يَنهض أبداً، وهو أنَّ ذلك راجعٌ إلى الإسناد، فيكون قد رُوي بإسنادٍ حسن، وبإسنادٍ صحيح ـ و حينئذ لو قيل: حسن صحيح، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، لبَطَلَ هذا الجواب.

وحقيقةُ ذلك ـ أن لو كان كذلك ـ أن يقال: حديث حسَنٌ وَ صحيح ـ فكيف العَملُ فى حديثٍ يقول فيه: حسَنٌ صحيحُ لا نعرفه إلا من هذا الوجه ـ فهذا يُبطِلُ قولَ من قال: أن يكون ذلك بإسنادين .

ويَسُوغُ أن يكون مُرادُه بالحَسَن المعنى اللغوىَّ لا الاصطلاحىَّ، وهو إقبالُ النفوسِ وإصفاءُ الأسماعِ إلى حُسنِ مَتْنِه، و جَزَالةِ لفظِه، وما فيه من الثوابِ والخير، فكثيرٌ من المتون النبوية بهذه المثابة .

قال شيخنا ابنُ وهب: فعلى هذا يَلزمُ إطلاقُ الحَسَنِ على بعضِ (الموضوعات)، ولا قائل بهذا .

ثم قال: فأقولُ: لا يُشتَرَطُ فى الحَسَن قيدْ القُصور عن الصحيح، وإنما جاء القصورُ إذا اقتُصر على (حديثٌ حَسَنٌ)، فالقصورُ يأتيه من قيدِ الاقتصار، لا من حيث حقيقتُه وذاتُه .

ثم قال: فللرُواةِ صِفاتٌ تقتضى قبولَ الرواية، ولتلك الصفاتِ دَرَجَاتٌ بعضُها فوقَ بعض، كالتيقُّظِ والحفظِ والإتقان .

فوجودُ الدَّرجةِ الدنيا كالصدقِ مثلًا و عَدَمِ التُّمهمة، لا ينافيه وجودُ ما هو أعلى منهُ من الإتقانِ والحفظ ـ فإذا وُجِدَتْ الدرجةُ العُلْيا، لم يُنافِ ذلك وجودُ الدنيا كالحفظ مع الصدق، فَصحَّ أن يقال: (حسَنٌ) باعتبارِ الدنيا، (صحيحٌ) باعتبار العُلْيا .

ويَـلـزَمُ على ذلك أن يكون كلُّ صحيحٍ حسناً ، فيُلتَزَم ذلك ، وعـليـه عبارات المتقدمين ، فإنهم قد يقولون فيما صَحَّ: هذا حديثٌ حسن .

قلتُ:

فأعلى مراتب الحَسَن: بَهْزُ بن حَكِيم ، عن أبيه ، عن جَدَّه .

و: عَمْرو بن شُعَيب ، عن أبيه ، عن جَدَّه .

و: محمد بن عَمْرو ، عن أبى سَلَمة ، عن أبى هريرة .

و: ابنُ إسحاق ، عن محمد بن إبراهيم التَّيْمِى ، وأمثالُ ذلك .

وهـو قِسـمٌ مُتـجـاذَبٌ بيـن الـصـحةِ والحُسن ، فإنَّ عِدَّةً من الـحُـفَّـاظ يـصححون هذه الطرق ، وينعتونها بأنها من أدنى مراتب الصحيح .

ثـم بـعـدَ ذلك أمثـلةٌ كثيرة يُتَنازَعُ فيها ، بعضُهم يُحسِّنونها ، وآخَـرُون يُـضـعِّـفـونهـا ، كحديث الحارثِ بن عبدالله ، و عـاصـم بن ضَمْرة ، وحَجَّاج بن أَرْطَاة ، و خُصَيْف ، ودَرَّاجٍ أبى السَّمْح ، و خلقٍ سِواهم .

۲ ...... حدیثِ حسن

حدیثِ حسن کی تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔امام خطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’حسن حدیث وہ کہلاتی ہے جس کا مخرج معروف ہو، جس کے راوی معروف و مشہور ہوں۔اسی پر اکثر احادیث کا مدار ہے۔زیادہ تر محدثین اسے قبول کرتے ہیں اور یہ فقہاء کے ہاں مستعمل ہے۔‘‘

یہ عبارت حدیث صحیح پر بھی منطبق ہوتی ہے جبکہ اس میں حدود و قیود کا خیال نہیں رکھا

گیا، البتہ امام خطابی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ حدیث حسن ہے جو درجہ صحیح کو نہ پہنچے۔

پس میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ حدیث حسن وہ ہے جو ضعیف سے اوپر ہو اور درجۂ صحت کو نہ پہنچے۔ اگر آپ کہیں کہ حدیث حسن اسے کہیں گے جو ضعفِ رواۃ سے پاک ہو تب بھی یہ صحیح کی قسم میں داخل ہوگی۔ یہاں حدیث صحیح کے جو مراتب بیان کیے گئے ہیں، حدیث حسن ان مراتب کے نچلے درجے میں ہوگی، یعنی حسن حدیث صحیح کے آخری مراتب (جو صحیح حدیث کی اسناد امام موصوف نے ذکر کی ہیں، ان میں آخری اسناد حسن حدیث کی اوائل اسناد کہلائیں گی) میں آئے گی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اور حدیث حسن کی تعریف:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اس نوع کی حدیث کو حسن قرار دیا۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے:

① راویانِ حدیث متہم نہ ہوں (یعنی ان پر کوئی تہمت نہ ہو)۔

② روایت شاذ نہ ہو۔

③ حدیث کو ایک سے زائد طُرق سے روایت کیا گیا ہو۔

لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ جب امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حسن غریب، لا نعرفه الا من هذا الوجه یعنی یہ ''حسن غریب ہے، اسے ہم بس اسی ایک سند سے جانتے ہیں۔''

کہا گیا ہے، حسن وہ حدیث ہے جو ضعف کا احتمال رکھتی ہے اور اس پر عمل جائز ہو۔ لیکن اس کے لیے بھی کوئی پختہ اصول نہیں ہے جس سے احتمالِ ضعف کو پرکھا جا سکے۔

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ اور حدیث حسن کی تعریف:

علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے حسن کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

اول: وہ حدیث جس کی سند میں مستور الحال راوی ہو اور اس میں حدیث (کو ضبط

کرنے) کی اہلیت نہ ہولیکن وہ راوی غافل، کثیر الخطاء اور متہم بالکذب نہ ہو۔ اور اس حدیث کا متن دوسرے طرق سے بلفظہ یا بالمعنی معروف ومشہور ہو اور اس حدیث کا کوئی متابع یا شاہد موجود ہو۔ (متاخرین کے ہاں اس کو حسن لغیرہ کہا گیا ہے)

دوم: وہ حدیث جس کا راوی صدق و امانت کے اوصاف کے ساتھ مشہور ہو لیکن حفظ و اتقان کے ناقص ہونے کی بناء پر صحیح کے درجے تک نہ پہنچے لیکن اس کا ضبط و اتقان اتنا ناقص بھی نہ ہو کہ اگر وہ کسی حدیث کو روایت کرنے میں تنہا ہو تو اس کی حدیث منکر ہو جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حدیث شاذ و معلل نہ ہو۔ (متاخرین کے ہاں ایسی حدیث کو حسن لذاتہ کہا جاتا ہے۔)

اس پر چند ایک مؤاخذات ہیں:

میں (ذہبی) تم سے کہتا ہوں کہ حدیث حسن وہ ہے جس کی سند رتبہ صحیح سے کم ہو۔ تمھارے لیے یہ بات مثالوں سے ظاہر ہو جائے گی۔ پھر تم احادیث حسن کے ایسے قاعدے کی تمنا نہ کرو گے جس کے تحت تمام احادیث حسن آ جائیں۔ افسوس بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں حفاظ کو شبہ لاحق ہوا ہے کہ آیا وہ حسن یا ضعیف یا صحیح ہیں؟ حتی کہ ایک حافظ حدیث کا اجتہاد ایک ہی حدیث کے بارے میں بدل جاتا ہے۔ مثلاً محدث ایک دن (ایک حدیث کے متعلق) صحت کا حکم کرتا ہے، کسی دن اسے حسن کہتا ہے اور بعض اوقات اس کا ضعف بیان کرتا ہے۔

یہ حق ہے کہ حدیث حسن کو حافظ ضعیف کہے کہ وہ رتبہ صحیح کو پہنچنے والی نہیں ہے، اس اعتبار سے کہ اس میں ضعف ہے۔ تب حدیث حسن ضعیف رہے گی اور اگر ضعف اس میں نہیں پایا جاتا تو وہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول: ((هذا حديث حسن صحيح))

اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ حدیث حسن صحیح کے درجے کو نہیں پہنچتی، پھر ایک حدیث

میں دوسمتوں (حسن اور صحیح) کو کیسے جمع کیا گیا؟ اس کے متعلق جواب دیا گیا ہے کہ یہ قول اسناد کی طرف راجع ہے۔ کبھی سند حسن اور کبھی صحیح ہوتی ہے۔ جب یہ کہا جائے ((حسن صحیح لانعرفه الامن هذا الوجه)) اس وقت یہ جواب غلط ٹھہرتا ہے۔ حقیقتاً اگر ایسا ہی ہے یعنی کہا جائے کہ (حدیث حسن صحیح) تو اس پر کیسے عمل کیا جائے گا، اس صورت میں جب کہا جائے (حدیث حسن صحیح لا نعرفه الا من هذا الوجه) پس جس نے یہ کہا کہ اس کی دوسندیں ہیں اس کا جواب باطل ٹھہرے گا۔

یہ جائز ہے کہ حسن کہنے سے لغوی معنی مراد ہو نہ کہ اصطلاحی۔ یہ امر حسن متن اور فصیح الفاظ کی طرف متوجہ کرتا ہے جس میں ثواب و خیر ہی ہے۔ زیادہ تر متونِ احادیثِ نبویہ اسی نوعیت کے ہیں۔

ہمارے شیخ ابن وہب نے فرمایا ہے کہ اس سے لازم ٹھہرتا ہے کہ حسن کا اطلاق بعض موضوعات پر کیا جائے۔ پھر کہا (امام ابن وہب نے) کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث حسن میں مرتبہ صحیح سے نیچے ہونے کی قید نہیں ہے۔ یہ قید اس حدیث حسن کی حقیقت و ذات کے اعتبار سے نہیں لگائی گئی بلکہ اکتفاء کے طور پر ہے۔ پھر کہا: راویان حدیث کی صفات قبول روایت کا تقاضا کرتی ہیں اور ان صفات کے ایک دوسرے پر درجات ہیں، جیسے تیقظ، حفظ اور اتقان۔

ادنیٰ درجے کے اعتبار سے صدق اور عدم تہمت کا پایا جانا، اس سے اعلیٰ مراتب یعنی حفظ و اتقان کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح اعلیٰ درجہ (حفظ و اتقان) ادنیٰ درجہ (حفظ وصدق) کے منافی نہیں ہے۔ پھر یہ درست ہوگا کہ کسی حدیث کو حسن بہ اعتبار ادنیٰ درجہ اور صحیح بہ اعتبار اعلیٰ درجہ کہا جائے۔

اس توجیہ سے لازم آتا ہے کہ ہر صحیح حدیث حسن ہو اور اسی پر متقدمین محدثین کی عبارات دلالت کرتی ہیں اور بسا اوقات وہ صحیح حدیث کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

حدیث حسن کے مراتب:

حدیث حسن کا سب سے اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جس پر محدثین نے صحت کا اور بعض نے حسن کا اطلاق کیا ہے۔ یہ صحت کے مراتب میں سے ادنیٰ درجہ ہے، جیسا کہ وہ احادیث جو "بھز بن حکیم عن ابیه عن جده" یا "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" یا "ابن اسحاق عن محمد بن ابراهیم التیمی" یا "محمد بن عمرو عن ابی سلمه عن ابی هریره رضی اللہ عنہ" کے طریق سے ہیں۔

پھر دوسرا درجہ ان رواۃ کی احادیث کا ہے جن کی تحسین وتضعیف میں محدثین کا اختلاف ہے، جیسا کہ حارث بن عبداللہ، عاصم بن ضمرہ، حجاج بن ارطاۃ، خُصیف، دراج ابی السمح، اور اس کے علاوہ دیگر رواۃ جن کی احادیث کو بعض نے حسن اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔

۳ الضعيف

ما نَقَصَ عن درجة الحَسَن قليلًا .

ومن ثَمَّ تُرَدَّدَ فى حديثِ أُنَاسٍ ، هل بَلَغ حديثُهم إلى درجةِ الحَسَنِ أم لا؟

و بلا ريبٍ فخَلْقٌ كثيرٌ من المتوسطين فى الرِّوايةِ بهذه المثابة۔ فآخِرُ مراتب الحَسَنِ هى أول مراتب الضَّعِيف .

أعنى: الضعيفَ الذى فى "السُّنَن" و فى كتب الفقهاء ، ورُواتُه ليسوا بالمتروكين ، كابن لَهِيعَة ، وعبدالرحمن بن زيد بن أسلم ، وأبى بكر بن أبى مريم الحمصى ، وفَرَج بن فَضَالة ، ورِشْدِين ، و خلقٍ كثير .

۳...... ضعیف

تعریف:

جو حدیث درجہ حسن کو نہ پہنچے، ضعیف کہلاتی ہے۔

بحث:

اس میں تردد ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا حدیث ضعیف درجۂ حسن کو پہنچتی ہے یا نہیں؟
بلا شک و شبہ متوسط راویان حدیث میں اکثر کی روایات اسی نوعیت کی ہیں۔ حسن حدیث کے آخری مراتب ضعیف حدیث کے اول مراتب ہیں۔
میرے (ذہبی کے) نزدیک وہ حدیث ضعیف ہے جو "السنن" اور کتب فقہاء میں مروی ہے اور اس کے راوی متروک نہیں ہیں، جیسا کہ ابن لھیعہ، عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم، ابو بکر بن ابی مریم الحمصی، فرج بن فضالہ اور رشدین وغیرھم۔

۴ المطروح

ما انحطَّ عن رُتبة الضعيف.
ويُـروَى فـي بـعض المسانيد الطَّوال وفي الأجزاء، بل وفي "سنن ابن ماجَهْ" و "جامع أبي عيسى".
مثلُ عَمْرِو بن شَمِر، عن جابر الجُعفي، عن الحَارِث، عن عليٌّ.
وكصَدَقَةَ الدَّقِيقي، عن فَرْقَدٍ السَّبَخي، عن مُرَّةَ الطَّيِّبِ، عن أبي بَكْر.
وجُوَيْبِر، عن الضحاك، عن ابن عباس.
وحفص بن عُمَر العَدَني، عن الحكَم بن أبان، عن عكرمة.
وأشباهُ ذلك من المتروكين والهَلْكَى، وبعضهم أفضل من بعض.

۴...... مطروح

تعریف:

جو حدیث درجہ ضعیف سے گری ہوئی ہو، وہ مطروح ہے۔

حدیث مطروح کو طویل مسانید، اجزاء، سنن ابن ماجہ، اور جامع ابی عیسی میں روایت کیا گیا ہے۔

مطروح کے مراتب:

جیسے عمرو بن شمر عن جابر جعفی عن حارث عن علی رضی اللہ عنہ اور صدقہ دقیقی عن فرقد سبخی عن مُرہ الطیب عن ابی بکر اور جویبر عن ضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حفص بن عمر العدنی عن حکم بن ابان عن عکرمہ ان کی مثل اور متروکین جیسے الہلکی۔ ان میں سے بعض مراتب دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

٥ الموضوع

ما كان مَتْنُه مخالفاً للقواعد، وراويه كذّابًا، كالأربعين الوَدْعانيَّة، وكنسخةِ عليٍّ الرِّضَا المكذوبةِ عليه.

وهو مراتب، منه:

ما اتفقوا على أنه كَذِب. ويُعرَفُ ذلك بإقرار واضعِه، وبتجربةِ الكذبِ منه، و نحوِ ذلك.

ومنه: ما الأكثرون على أنه موضوع، والآخَرُون يقولون: هو حديثٌ ساقطٌ مطروح، ولا نَجسُرُ أن نُسمِّيَه موضوعاً.

ومنه: ما الجمهورُ على وَهْنِه وسُقوطِه، والبعضُ على أنه كذِب.

ولهم في نقد ذلك طُرقٌ متعدِّدة، وإدراكٌ قويٌ تَضِيقُ عنه عباراتُهم، من جِنسِ ما يُؤتاه الصَّيرَفِيُّ الجِهبِذُ في نقدِ الذهب والفضة، أو الجوهريُّ لنقدِ الجواهرِ والفُصوصِ لتقويمِها.

فلكثرةِ ممارستِهم للألفاظ النبوية، إذا جاءهم لفظٌ ركيك،

أعني مُخالِفًا للقواعد، أو- فيه- المجازفةُ فى الترغيب والترهيب، أو الفضائل، وكان بإسنادٍ مُظلم، أو إسنادٍ مُضِيء كالشمسِ فى أثنائه رجلٌ كذاب أو وضَّاع، فيحكمون بأنَّ هذا مختلَق، ما قاله رسولُ اللّٰه ﷺ، وتَتواطأُ اقوالُهم فيه على شىء واحد.

وقال شيخنا ابنُ دقيق العيد: إقرارُ الراوى بالوضع، فى رَدَّه، ليس بقاطعٍ فى كونه موضوعاً، لجوازِ أن يكذب فى الإِقرار.

قلتُ: هذا فيه بعضُ مافيه، ونحن لو افتتحنا بابَ التجويز والاحتمالِ البعيد، لوقعنا فى الوسوسة والسفسطة!

نعم كثيرٌ من الأحاديث التى وُسِمَتْ بالوضع، لا دليلَ على وضعها، كما أنَّ كثيراً من الموضوعاتِ لا نرتابُ فى كونها موضوعة.

⑤......موضوع

تعریف:

جس حدیث کا متن قواعد کے خلاف ہو اور راوی کذاب ہوں موضوع کہلاتی ہے، جیسے اربعین ودعانیہ اور نسخہ علی الرضا جس میں جھوٹی باتیں ہیں۔

موضوع کے مراتب:

① جس پر سب کا اتفاق ہو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس کا جھوٹ اس کے اپنے ہی اقرار سے واضح ہو، یا تجربے سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو۔

② جس کے بارے میں اکثر محدثین کہیں یہ موضوع ہے جب کہ محدثین میں سے کچھ اسے

''حدیث ساقط مطروح'' قرار دیں اور کہیں کہ ہم اسے موضوع کہنے کی جسارت نہیں کرتے۔

③ جمہور اس کے وہن وسقوط پر متفق ہوں جب کہ بعض کذب ہونے کی بات کریں۔

موضوع کی پہچان:

''موضوع'' پر نقد کرنے کے متعدد طریقے ہیں۔قوی ادراک ان روایات کی عبارات سے ہوتا ہے، جیسا کہ ماہر صراف سونے اور چاندی یا جوہری نگینے اور جواہر کو پرکھنے میں یدطولی رکھتے ہیں۔

① اس سلسلے میں الفاظ نبویہ کا مطالعہ اور محنت درکار ہے۔ جب کوئی رکیک لفظ آئے یعنی قواعد کے مخالف یا ترغیب وترہیب کے سلسلے میں بے تکی بات یا فضائل میں ایسی بات کہہ دی جائے۔

② اس کی اسناد تاریک ہوں۔ یا سند اظہر من الشمس کہہ رہی ہو کہ اس میں راوی وضاع و کذاب ہیں جن پر مختلق (گھڑنے) کا حکم لگایا جائے گا، یعنی جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا اور اس کی تائید مزید اقوال ائمہ کرتے ہوں۔

ہمارے شیخ ابن دقیق العید نے کہا کہ راوی کا اقرار اس کے وضع کے بارے میں اس کے جھوٹا ہونے کو ظاہر کرتا ہے، اس روایت کے موضوع ہونے کا قاطع نہیں ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں یہ ایک ہی بات ہے۔اگر ہم تجویز واحتمال کا دروازہ کھولیں گے تو یہ بعید نہیں ہے کہ ہم وسوسہ اور سفسطہ (قیاسی غلطی) میں جا پڑیں۔ ہاں کثیر احادیث ایسی ہیں جن پر وضع کا حکم لگایا گیا لیکن ان کے وضع پر کوئی دلیل نہیں۔ ایسے ہی کثیر موضوعات اس نوعیت کی ہیں جن کے موضوع ہونے میں شک نہیں۔

❻ المرسَلُ

عَـلَـمٌ علی ما سَقَط ذکرُ الصحابی من إسناده، فیقول التابعیُّ:

قال رسول الله ﷺ.

ويقع في المراسيل الأنواعُ الخمسةُ الماضية، فمن صِحاح المراسيل:

مرسَلُ سعيد بن المسيَّب.

و: مرسَلُ مسروق.

و: مرسَلُ الصُّنَابِحِي.

و: مرسَلُ قيس بن أبي حازم، و نحوُ ذلك.

فإنَّ المرسَل إذا صَحَّ إلى تابعيٌّ كبير، فهو حُجَّة عند خلق من الفقهاء.

فإن كان في الرُّوَاةِ ضَعيْفٌ إلى مثلِ ابن المسيَّب، ضَعُفَ الحديثُ من قِبَلِ ذلك الرجل، وإن كان متروكاً، أو ساقطاً: وَهَنَ الحديثُ و طُرِح.

ويُوجَدُ في المراسيل موضوعات.

نعم وإن صَحَّ الإسنادُ إلى تابعيَّ متوسِطِ الطبقة، كمراسيل مجاهد، وإبراهيم، والشعبي، فهو مرسَل جيّد، لا بأسَ به، يقَبلُه قومٌ و يَرُدُّه آخَرون.

ومن أوهى المراسيل عندهم: مراسيلُ الحَسَن.

وأوهى من ذلك: مراسيلُ الزهري، وقتادة، و حُمَيد الطويل، من صغار التابعين.

وغالبُ المحقِّقين يَعُدُّون مراسيلَ هؤلاء مُعْضَلاتٍ و منقطعات، فإنَّ غالب رواياتِ هؤلاء عن تابعيٍّ كبير، عن

صحابی ، فالظنُّ بمُرسِلِه أنه أَسقَطَ من إسنادِه اثنین .

⑥......مُرسَل

وہ حدیث جس کی سند میں صحابی کا ذکر نہ کیا جائے اور تابعی کہے: قال رسول اللہ ﷺ ، مرسل کہلاتی ہے۔

انواع مراسیل:

مراسیل میں ذکر کردہ (صحیح،حسن،ضعیف،مطروح اور موضوع) پانچ انواع ہیں:

صحیح مراسیل:

① سعید بن میسّب،مسروق، صنابحی، قیس بن ابی حازم اور اس کی مثل دیگر کی مراسیل صحیح ہیں۔

② مرسل کی سند تابعی کبیر کی طرف صحیح ہو تو وہ فقہاء کے نزدیک حجت ہے۔

③ اس کے رواۃ اگر ضعیف ہوں، جیسا کہ ابن میسّب کی طرف، تو اس کے قبول کا حکم بھی ویسا ہوگا یعنی وہ حدیث متروک یا ساقط یا واہن الحدیث یا مطروح کہلائے گی۔

مراسیل میں موضوعات بھی پائی جاتی ہیں۔ ہاں اگر اسناد متوسطہ طبقہ کے تابعی کی طرف صحیح ہوں، جیسا مجاہد،ابراہیم،شعبی،تو وہ مراسیل عمدہ ہیں۔ اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔ اسے محدثین کے ایک گروہ نے قبول کیا ہے اور بعض محدثین نے رد بھی کیا ہے۔

کمزور مراسیل محدثین کے نزدیک حسن ،زہری،قتادہ اور حمید الطّویل کی ہیں جو صغار تابعین میں سے ہیں۔

زیادہ تر محققین مذکورہ بالا مراسیل کو معضلات ومنقطعات میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ ان میں زیادہ تر روایات تابعی کبیر سے ہیں، وہ صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ظن ہے کہ ان کی اسناد میں دو راوی رہ گئے ہیں۔

❼ المُعْضَل

هو ما سَقَط من إسنادِه اثنان فصاعداً .

⑦...... مُعضَل

تعریف:

جس حدیث کی سند سے دو راوی یکے بعد دیگرے ساقط ہوں، وہ معضل ہے۔

❽ و كذلك المنقطِع

فهذا النوعُ قلَّ من احتَجَّ به .

وأجـوَدُ ذلك مـا قال فيه مالكٌ: بَلَغَنِي أنَّ رسولَ اللّٰه ﷺ قال: كـذا و كـذا۔ فـإنَّ مـالـكـاً متثبِّـتٌ ، فـلعلَّ بلا غاتِه أقوى من مراسَيل مِثل حُمَيد ، و قتادة .

⑧...... منقطع

اس نوع پر کم ہی احتجاج کیا گیا ہے۔ اس میں سب سے عمدہ وہ روایات ہیں، جیسے مالک نے کہا: ((بلغني ان رسول الله ﷺ قال كذا و كذا .)) ۔ پس مالک متثبت (معتبر) ہیں۔ شاید یہ بلاغات (بلغنی والی) مراسیل حمید وقتادہ سے زیادہ قوی ہیں۔

❾ الموقوف

هو ما أُسنِدَ إلى صحابيٌّ من قولِه أو فعلِه .

⑨...... موقوف

تعریف:

جس حدیث کی نسبت صحابی کے قول وفعل کی طرف کی جائے، وہ موقوف کہلاتی ہے۔

❿ و مُقابِلُهُ المرفوع

وهو ما نُسِبَ إلى النبيٌّ ﷺ من قولِه أو فعلِه .

⑩ ...... مرفوع

تعریف:

جس حدیث کی نسبت نبی کریم ﷺ کے قول وفعل کی طرف کی جائے مرفوع ہوتی ہے۔

⑪ المتصل

ما اتَّصَل سَنَدُه، وسَلِمَ من الانقطاع، ويَصدُق ذلك على المرفوع والموقوف .

⑪ ...... متصل

تعریف:

وہ حدیث جس کی سند متصل اور انقطاع سے سلامت ہو، متصل کہلاتی ہے۔ یہ تعریف مرفوع وموقوف پر بھی صادق آتی ہے۔

⑫ المُسْنَد

هو ما اتصل سَنَدُه بذكرِ النبی ﷺ .

وقيل: يَدخُلُ فی المسند كلُّ ما ذُكِرَ فيه النبیُّ ﷺ ، وإن كان فی أثناءِ سَنَدِه انقطاع .

⑫ ...... مسند

تعریف:

جس حدیث کی سند نبی کریم ﷺ تک متصل ہو، وہ مسند ہے۔ کہا گیا ہے اس میں ہر روایت داخل ہے جس کی سند میں نبی کریم ﷺ کا ذکر ہو، خواہ اس کی سند میں انقطاع ہو۔

⑬ الشاذُّ

هو ما خالف راويه الثقاتِ، أو: ما انفَرَد به من لا يَحتمِلُ حالُه قبولَ تفرُّدِه .

⑬......شاذ

تعریف:

جس حدیث میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہو، یا جسے روایت کرنے میں انفراد ہو جب کہ وہ منفرد ہونے کو قبول نہ کرے، ایسی روایت شاذ کہلاتی ہے۔

⑭ المنكَر

وهو ما انفرد الراوى الضعيفُ به۔ وقد يُعَدُّ مُفْرَدُ الصَّدُوقِ منكَراً.

⑭......منکر

تعریف:

جس حدیث کوضعیف راوی روایت کرے، وہ منکر ہے۔کبھی کبھارا کیلے صدوق کومنکر شمار کیا جاتا ہے۔

⑮ الغريب

ضِدُّ المشهور.

فتارةً تَرجِعُ غرابتُه إلى المتن، وتارةً إلى السَّنَد.

والـغـريـبُ صادقٌ على ماصَحَّ، وعلى مالم يصحَّ، والتفرُّدُ يـكونُ لما انْفَرَدَ به الراوى إسناداً أو متناً، ويكونُ لِما تَفَرَّدَ به عـن شيـخٍ مـعيَّـن، كـمـا يـقـال: لم يَروِه عن سفيان إلا ابنُ مَهْدِى، ولم يَروِه عن ابن جُرَيج إلا ابنُ المبارك.

⑮......غریب

کبھی غرابت سند میں ہوتی ہے اور کبھی متن میں۔ غریب کا اطلاق صحیح اور غیر صحیح دونوں پر ہوتا ہے۔تفرد اس بنا پر ہوتا ہے کہ اس سند میں یا متن کو نقل کرنے والا ایک ہی راوی ہے۔ ایسا بھی ہے کہ ایک شیخ سے بس ایک ہی شخص روایت کرئے، جیسا کہ سفیان سے ابن مہدی

کے سوا اور ابن جریج سے ابن المبارک کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا۔

⑯ المُسَلْسَل

ما كان سَنَدُه على صِفةٍ واحدةٍ في طبقاته۔ كما سُلْسِلَ بسَمِعتُ، أو كما سُلْسِلَ بالأولية إلى سُفْيان .

وعامَّةُ المسلسلاتِ واهِية، وأكثرُها باطِلةٌ، لكذبِ رُواتها .

وأقواها المُسَلْسَلُ بقراءة سُورة الصَّفُّ، والمسلسَلُ بالدمشقيين، والمسلسَلُ بالمصريين، والمسلسَلُ بالمحمَّدِين إلى ابن شِهاب .

⑯ ...... مسلسل

تعریف:

کسی حدیث کی سند میں ایک صفت اس روایت کے تمام طبقات میں پائی جائے، جیسا کہ سلسلۂ رواۃ میں سب "سمعت" کہیں یا وہ سلسلہ جو سفیان بن عیینہ کی طرف ہے۔

بحث:

زیادہ تر مسلسلات جھوٹے اور کمزور ہوتے ہیں کہ ان کے راوی جھوٹ بولتے ہیں۔

سب سے قوی مسلسلات درج ذیل ہیں:

① مسلسل سورہ الصّف کی قراءت

② دمشقی راویوں کا سلسلہ

③ بصری راویوں کا سلسلہ

④ ابن شہاب کی طرف محمد نامی راویوں کا سلسلہ۔

⑰ المُعَنْعَن

ما إسنادُه فلانٌ عن فلان .

فمن الناس من قال: لا يَثْبُتُ حتى يَصِحَّ لقاءُ الراوي بشيخه

يوماً ماً، ومنهم من اكتَفى بمجرَّد إمكان اللُّقِىِّ، وهو مذهَبُ مُسْلِم، وقد بالَغَ في الردَّ على مخالِفِه.

ثم بتقدير تَيَقُّن اللقاء، يُشتَرَطُ أنْ لا يكون الراوى عن شيخِهِ مُدَلَّساً، فإن لم يكن حملناه على الاتصال، فإن كان مُدَلَّساً، فالأظهَرُ أنه لا يُحمَلُ على السماع.

ثم إن كان المدلَّسُ عن شيخِه ذا تدليسٍ عن الثقاتِ فلا بأس، وإن كان ذا تدليسٍ عن الضعفاءِ فمردود.

فإذا قال الوليد أو بَقِيَّة: عن الأوزاعى، فواهٍ، فإنَّهما يُدلَّسان كثيراً عن الهَلْكَى، ولهذا يَتَّقى أصحابُ (الصحاح) حديثَ الوليد، فما جاء إسنادُه بِصِيغةِ عن ابنِ جُرَيج، أو عن الأوزاعىَّ، تجنَّبوه.

وهذا فى زماننا يَعْسُرُ نقدُه على المحدَّث، فإنَّ أولئك الأئمة كالبخارى وأبى حاتم وأبى داود، عايَنُوا الأصول، وعَرَفوا عِلَلَها، وأمَّا نحن فطالَتْ علينا الأسانيدُ، وفُقِدَتْ العباراتُ المتيقَّنَة، وبمثلِ هذا و نحوِه دَخَلَ الدَّخَلُ على الحاكم فى تَصَرُّفِهِ فى "المستدرك".

﴿١٧﴾ ...... معنعن

تعریف:

معنعن وہ حدیث ہے جس کی سند میں ہو فلان عن فلان۔

بحث و تجزیہ:

محدثین کی ایک جماعت نے کہا کہ معنعن ثابت نہیں ہوتی جب تک راوی کی ملاقات

اپنے شیخ سے نہ ہوئی ہو۔ بعض محدثین نے امکان ملاقات پر اکتفاء کیا ہے۔ یہ امام مسلم کا مذہب ہے اور انھوں نے اپنے مخالفین کے رد میں مبالغہ کیا ہے۔

ملاقات کے یقین پر یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ راوی اپنے شیخ سے تدلیس نہ کرے۔ پس اگر وہ مدلس نہ ہوتو ہم اسے اتصال پر محمول کریں گے۔ اگر وہ مدلس ہوتو ظاہر ہے کہ اسے پھر سماع پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ پھر اگر مدلس ثقات (ثقہ شیوخ) سے تدلیس کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر وہ ضعفاء سے تدلیس کرتا ہے تو وہ مردود ہے۔

مثالیں:

جب ولید یا بقیہ راوی اوزاعی سے روایت کریں تو درست نہیں کیونکہ یہ دونوں الہلکی سے بھی کثرت کے ساتھ تدلیس کرتے ہیں۔ اسی لیے اصحاب صحاح نے حدیث ولید سے اجتناب برتا ہے۔ پھر ان کی جو اسناد صیغہ عن ابن جریج یا عن اوزاعی مروی ہوں ان سے اجتناب کیا جائے۔ ہمارے زمانے (عصرِ ذہبی) میں اس نوعیت کا نقد محدث پر مشکل ہے۔ کیونکہ امام بخاری وابو حاتم اور ابو داؤد تو اصولوں کو بنانے والے اور علل کے جاننے والے تھے جب کہ ہم تک اسانید طویل ہوگئی ہیں اور یقینی عبارات مفقود ہیں۔ اس کی مثال یہ بھی ہے کہ امام حاکم کی مستدرک میں نقص وعیب کا دخل ہے۔

⑱ المُدَلَّس

ما رواه الرجل عن آخر ولم يَسمعه منه، أو لم يُدركه.

فإن صَرَّح بالاتصال وقال: حدَّثنا، فهذا كذَّاب، وإن قال: عن، احتُمِلَ ذلك، ونُظِرَ في طبقتِهِ هل يُدرِكُ من هو فوقَهُ؟ فإن كان لَقِيَه فقد قرَّرناه، وإن لم يكن لَقِيَه فأمكن أن يكون مُعاصِرَه، فهو محلُّ تردُّد، وإن لم يُمكِن فمنقطِع، كقتادة عن أبي هريرة.

وحُكْمُ (قالَ): حُكمُ (عن)- ولهم في ذلك أغراض:
فإن كان لو صَرّحَ بمن حَدَّثه عن المسمَّى، لعُرِفَ ضَعفُه، فهذا غَرَضٌ مذموم و جِنايةٌ على السُّنَّة، ومن يُعانى ذلك جُرِحَ به، فَإنَّ الدينَ النصيحة.
وإن فَعَلهُ طَلَباً للعلو فقط، أو إيهاماً بتكثير الشيوخ، بأن يُسمَّىَ الشيخَ مرَّةْ و يُكَنَّيَه أخرى، ويَنْسُبَه إلى صَنْعةٍ أو بلدٍ لا يكادُ يُعرَف به، وأمثالَ ذلك، كما تقولُ: حدَّثَنا البُخَاريُّ، وتَقصِدُ به من يُبَخِّرُ الناس، أو: حدَّثَنا عليٌ بما وراءَ النهر، و تعنى به نهراً، أو حدَّثنا بزَبِيد، وتُرِيد موضعاً بقُوص، أو: حدَّثنا بحَرَّان، وتُريدُ قريةَ المَرْج، فهذا مُحْتَمَل، والوَرَعُ تركُه.
ومن أمثلة التدليس: الحَسَنُ عن أبى هريرة- وجمهورُهم على أنه منقطع، لم يَلْقَه- وقد رُوِيَ عن الحَسَنِ قال: حدَّثنا أبوهريرة- فقيل: عَنَى بحَدَّثَنا: أهلَ بلدِه.
وقد يؤدَّى تدليسُ الأسماء إلى جهالةِ الراوى الثقة، فيُرَدُّ خبَرُه الصحيح- فهذه مَفْسَدَة، ولكنها فى غير "جامع البخارى" و نحوِه، الذى تَقرَّرَ أنَّ موضوعَه للصحاح، فإنَّ الرجلَ قد قال فى "جامعه": حدَّثَنا عبدُاللّٰه- وأراد به: ابنَ صالح المصرى- وقال: حدَّثَنا يعقوب- وأراد به: ابنَ كاسِب- وفيهما لِين- وبكل حالٍ: التدليسُ منافٍ للإخلاص، لما فيه من التزيُّن.

⑱...... مدلس

تعریف:

ایک راوی دوسرے سے روایت کرے جب کہ اس نے دوسرے سے نہ سماع کیا ہو نہ اس سے ملاقات ہوئی ہو۔

بحث وتجزیہ:

اگر راوی اتصال کی تصریح کرے اور کہے "حدثنا" تو وہ کذاب ہے۔اور اگر وہ "عن" کہے تو اس میں احتمال موجود ہے۔اس کے طبقے کی طرف دیکھا جائے گا کیا وہ اپنے سے اوپر والے طبقے سے ملا ہے یا نہیں۔اگر اس کی ملاقات ثابت ہے تو اس پر اس سے پہلے کلام کیا جا چکا ہے۔اگر اس کی ملاقات ممکن نہ ہو تو اس کا امکان ہوگا کہ وہ اس کا معاصر ہے۔ یہ محل نظر ہے۔

حکم "قال" اور حکم "عن" کے بارے میں درجہ ذیل اغراض ہیں؛

اگر راوی اس کے نام کی صراحت کردے جس سے اس نے روایت لی ہے تو اس کا ضعف عیاں ہو جائے گا۔ یہ نہایت قبیح بات ہے اور جو ایسا کرے اس پر جرح واقع ہوگی۔ دین تو نصیحت ہے۔

اگر وہ ایسا صرف اونچے مقام کے حصول کی خاطر یا شیوخ کی کثرت کی بناء پر ایہام پیدا کرے۔کبھی شیخ کا نام ذکر کرے اور کبھی کنیت،بعض اوقات شیخ کے پیشے یا اس کے شہر کی طرف منسوب کرے جس سے وہ معروف نہیں ہے۔

تعریف کی مثالیں:

جیسا کہ کہا جائے "حدثنا البخاری" اس سے مراد یہ لیا جائے جو لوگوں کو بھاپ (دھونی) دیتا ہو۔ یا "حدثنا علی بما وراء النهر" اور اس سے علاقہ ماوراءالنہر کے بجائے دریا مراد لیا جائے۔ یا "حدثنا بزبید" اور اس سے مراد زبید (یمن) کی ایک جگہ

قوص لی جائے۔ یا "حدثنا بحران" اوراس سے مرادحران کی مرج نامی بستی لی جائے۔ یہ سب محتملات ہیں۔

تدلیس کی مثالیں:

جیسے حسن عن ابی ہریرہ ہے جبکہ جمہوراس کے بارے میں کہتے ہیں یہ منقطع ہے۔ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔حسن سے جوروایت کیا گیا ہے کہ اس نے کہا "حدثنا ابو هريره"۔کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ان کے شہر والوں سے روایت کی گئی ہے۔

کبھی ناموں کی تدلیس کو ثقہ راوی کی جہالت قرار دیا جاتا ہے اوراس کی صحیح خبرکورد کر دیا جاتا ہے۔اس میں خرابی ہے۔لیکن یہ خرابی جامع بخاری یا اس کی مثل دیگر کتب کے علاوہ کتب میں پیش آتی ہے۔ بخاری نے قرار دیا ہے کہ ان کا موضوع صحیح احادیث ہیں۔امام بخاری اپنی جامع میں کہتے ہیں "حدثنا عبد الله" اس سے مراد ابن صالح المصری ہوتے ہیں۔اوروہ (امام بخاری) کہتے ہیں "حدثنا يعقوب" اس سے مراد ابن کاسب ہوتا ہے۔ان دونوں میں معمولی تدلیس ہے۔البتہ تدلیس ہر حال میں اخلاص کے منافی ہے کیونکہ اس میں ظاہر داری اور عبارت آرائی ہے۔

۱۹ المضطرب والمُعَلَّل

ما رُوی علی أوجهٍ مختلِفة، فيَعتلُّ الحديث.

فإن كانت العِلَّةُ غيرَ مؤثِّرة، بأن يَروِيَه الثَّبْتُ على وجهٍ، و يُخالِفَه واهٍ، فليس بمَعْلُول. وقد ساق الدار قطنيُّ كثيراً من هذا النمط فی "كتاب العِلَل"، فلم يُصِب، لأنَّ الحُكمَ للثَّبْت.

فإن كان الثَّبْتُ أرسَلَه مثلًا، والواهی وصَلَه، فلا عبرة بوصلِه لأمرين: لضعفِ راويه، ولأنه معلولُ بإرسال الثَّبْت له.

ثـم اعـلـم أنَّ أكثَرَ الـمتـكـلَّمِ فيهم، ما ضعَّفهم الحُفَّاظُ إلا لمخالفتهم للأثبات .

وإن كـان الـحـديـثُ قـد رَوَاه الثَّبْـتُ بـإسناد، أو وَقَفـه، أو أرسَـلَه، ورفقاؤه الأثباتُ يُخالفونه، فالعِبرةُ بما اجتَمَع عليه الثـقـات، فـإنْ الواحد قد يَغلَط- وهنا قد ترجَّح ظهورُ غَلَطِه فلا تعليل، والعِبرةُ بالجماعة .

وإن تساوَى العَدَدُ، واختَلَف الحافظان، ولم يترجَّح الحكمُ لأحدِهما على الآخر، فهذا الضَّرْبُ يَسوقُ البخاريُّ ومسلمُ الـوجهيـنِ- منه- فى كتابيهما- و بالأَولَى سَوْقُهما لما اختَلَفا فى لفظِهِ إذا أمكن جَمْعُ معناه .

ومـن أمثلة اختلاف الحافِظَيْنِ: أن يُسمَّىَ أحدُهما فى الإِسناد ثـقةً، ويُبـدِلَه الآخرُ بثقةٍ آخر، أو يقولَ أحدُهما: عن رجل، ويـقولَ الآخرُ: عن فلان، فيُسمَّى ذلك المبهَمَ، فهذا لا يَضُرُّ فى الصحة .

فـأمَّـا إذا اختَلَف جماعةٌ فيه، وأَتَوْا به على أقوالٍ عِدَّة، فهذا يُوهِنُ الحديث، ويَدُلُّ على أنَّ راوِيَه لم يُتقِنه .

نعم لو حَدَّثَ به على ثلاثةِ أوجهٍ تَرجِعُ إلى وجهٍ واحد، فهذا ليـس بـمُـعْتَـلٌ، كـأن يـقـولَ مـالكٌ: عن الزُّهرى، عن ابن الـمسيَّـب، عـن أبى هريرة- ويقولَ عُقَيلٌ: عن الزُهرى، عن أبى سَلَمة- و يَروِيَه ابنُ عينية، عن الزهرى، عن سَعِيدٍ وَ أبى سَلَمة معاً .

⑲...... مضطرب و معلل

تعریف:

جس روایت کو راوی ایک سے زائد مختلف طرق سے روایت کرے، وہ حدیث معلل ہوجاتی ہے۔

بحث و تجزیہ:

①...... اس میں اگر علت غیر مؤثرہ ہو اس طرح کہ روایت کسی ایک طریق پر ثابت ہو اور اپنے سے کم درجے کی مخالفت کرے، وہ معلول نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے اپنی "کتاب العلل" میں کثیر ایسی احادیث درج کی ہیں جن کا حکم ثابت کا ہے۔

②...... اگر ثابت ہونے میں ارسال ہو مثلاً کمزور سند کا اتصال ہو تو وہ دو امور سے معلول ہوگی: اس کے ضعیف راوی کی وجہ سے اور اس لیے کہ اس کے ثابت ہونے میں ارسال ہے۔

③...... اکثر رواۃ متکلم فیہ ہوں جن کی تضعیف حفاظ نے بیان کی ہو جس کا سبب اثبات (ثقات) کی مخالفت ہوگا۔

④...... اگر راوی حدیث کو ثقہ اسناد کے ساتھ روایت کرے یا وقفہ کرے یا ارسال کرے اور اس کے ثقہ رفقاء اس کی مخالفت کریں تو بہتر وہ ہے جس پر ثقات مجتمع ہوں۔ کیونکہ ایک غلطی کرتا ہے۔ یہاں غلطی کے ظہور کو ترجیح حاصل ہے تعلیل کو نہیں۔ اور بہتری جماعت کے ساتھ ہے۔

اسناد کے مساوی ہونے کے سلسلے میں شیخین کی توجیہ:

⑤...... اگر اسناد عدد میں مساوی ہوں اور روایت کے حکم میں حفاظ حدیث کا اختلاف واقع ہو، یعنی کوئی بھی کسی ایک روایت کو ترجیح نہ دے۔ اس نوعیت کی طرف بخاری و مسلم نے اپنی کتب میں دو توجیہات اختیار کی ہیں۔ اول یہ ہے کہ لفظ میں اختلاف ہو جبکہ اس کے معنی

کو جمع کرنا ممکن ہو۔

دوم، دو حفاظ کا اختلاف ہو کہ ایک اسناد کو ثقہ قرار دے جب کہ دوسرا دیگر ثقہ راوی سے اسے بدل دے۔ یا ان میں سے ایک کہے "عن رجل" اور دوسرا کہے "عن فلان" اس وجہ سے اسے مبہم کہا جائے گا جو کہ روایت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

⑥...... جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ کثیر جماعت راوی میں اختلاف کرے اور اس سلسلے میں متعدد اقوال ذکر کیے جائیں۔ اس وجہ سے حدیث کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ راوی حدیث مضبوط نہیں۔

حدیث تین طرق سے روایت کی جائے اور اسے ایک طریق کی طرف راجع کیا جائے تو اس سے حدیث معلل نہیں ہوگی، جیسے مالک عن زہری عن ابن مسیّب عن ابی ہریرہ یا عُقیل عن زہری عن ابی سلمہ اور ابن عیینہ عن زہری عن سعید و ابی سلمہ معا روایت کی جائے۔

٢٠ المُدْرَج

هی الفاظ تقعُ من بعض الرواة، متصلةً بالمَتْن، لا يَبِينُ للسامع إلا أنها من صُلْبِ الحديث، ويَدلُّ دليلٌ على أنها من لفظِ راوٍ، بأن يأتيَ الحديثُ من بعضِ الطرق بعبارةٍ تَفْصِلُ هذا من هذا.

وهذا طريقٌ ظنيٌّ، فإنْ ضَعُفَ توقَّفْنا أو رجَّحْنا أنها من المتن، ويَبْعُدُ الإدراجُ في وسط المتن، كما لو قال: "من مَسَّ أُنْثَيَيْهِ و ذكرَهُ فلْيتوضأ".

وقد صنَّف فيه الخطيب تصنيفاً، وكثيرٌ منه غيرُ مُسلَّم له إدراجُه.

٢٠...... مدرج

مدرج وہ الفاظ ہیں جو بعض رواۃ متن سے متصل بیان کر دیتے ہیں جب کہ سامع کے

لیے واضح نہیں ہوتا کہ یہ اصل حدیث کے الفاظ ہیں جب کہ دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ الفاظ راوی کے ہیں۔ حدیث کے بعض طرق اس بات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

یہ طریق ظنی ہے کیونکہ کم ہی گنجائش ہے کہ ہم اس پر توقف کریں یا ترجیح دیں کہ یہ متن سے ہے۔ وسط متن میں ادراج بعید ہے، جیسا کہ راوی نے کہا "من مس انثیيه و ذكره فليتوضا." (جس نے اپنے خصیوں یا عضو کو چھوا ہو، وہ وضو کرلے۔) اس میں اُنثیـهِ کا ادراج ہے۔

اس ضمن میں خطیب بغدادی نے تصنیف لکھی ہے۔ اس میں بہت سارے ادراج غیر مسلم ہیں۔

٦١ ألفاظُ الأداء

(حـدَّثَـنـا) و (سَـمِعتُ) لِمَا سُمِعَ من لفظ الشيخ۔ واصطُلِح عـلـى أنَّ (حـدَّثَـنـي) لِمَا سَمِعتَ منه وحدَك، و (حدَّثَنا) لِمَا سَـمِعتَه معَ غيرك۔ وبعضُهم سَوَّغ (حدَّثَنا) فيما قرأة هو على الشيخ.

وأمـا (أخبَرَنا) فصادِقةٌ على ما سَمِع من لفظ الشيخ، أو قرأه هـو، أو قـرأه آخَـرُ على الشيخِ و هو يَسمع۔ فلفظُ (الإِخبار) أعـمُّ مـن (التـحـديـث)۔ و(أخبـرنـي) للمنفـرِد۔ وسَوَّى الـمـحـقِّـقـون كـمالكٍ والبخاريُّ بين (حدَّثنا) و (أخبَرنا) و (سَمِعتُ)، والأمرُ في ذلك واسع.

فـأمـا (أنبـأنـا) و (أنـا) فـكـذلك، لـكـنهـا غلَبتْ في عُرف المتأخرين على الإِجازة۔ وقولُه تعالى: (قالَتْ من أنبأَك هذا؟ قـال: نَبَّـأنـيَ الـعـليمُ الخبير)۔ دَالٌّ على التَّسَاوِي۔ فالحديثُ

والخَبرُ والنَّبأُ مُترادِفاتُ .

وأما المغاربة فيُطلقون: (أخبرنا)، على ما هو إجازةٌ، حتى إنَّ بعضهم يُطلِقُ فى الإِجازةَ: (حدَّثَنا)! وهذا تدليس - ومن الناس من عَدَّ (قال لنا) إِجازَةً و مُناوَلةً .

ومن التدليس أن يقولَ المحدِّثُ عن الشيخ الذى سَمِعَه، فى أماكنَ لم يَسمَعْها: قُرِىء على فلان: أخبَرك فلان- فربما فَعَل ذلك الدار قطنىُّ يقولُ: قُرِىء على أبى القاسم البغوى: أخبرك فلان- وقال أبو نُعَيم: قُرِىء على عبدالله بن جعفر بن فارس- حدثنا هارون بن سليمان .

ومن ذلك (أخبرنا فلانٌ من كتابِه)، ورأيتُ ابنَ مُسَيَّب يفعله- وهذا لا ينبغى فإنه تدليس، والصوابُ قولُك: فى كتابه .

ومن التدليس أن يكون قد حَضَر طِفْلاً على شيخٍ وهو ابنُ سنتينِ أو ثلاث، فيقول: أنبأنا فلان، ولم يقل، وأنا حاضر .

فهذا الحضورُ العَرِىُّ عن إذنِ المُسْمِع لا يُفيد اتصالاً، بل هو دون الإِجازة، فإن الإِجازةَ نوعُ اتصال عند أئمة .

وحضورُ ابنِ عامٍ أو عامَيْنِ إذا لم يَقترن بإجازةٍ كلا شىءَ، إلا أن يكون حضورُه على شيخٍ حافظٍ أو محدِّثٍ وهو يَفْهَمُ ما يُحدِّثُه، فيكون إقرارُه بكتابةِ اسمِ الطفل بمنزلةِ الإِذن منه له فى الرواية .

ومن صُوَر الأداء: حدَّثَنا حَجَّاجُ بن محمد، قال: قال ابن جُرَيج- فصيغةُ (قال) لا تَدلُّ على اتصال .

وقد اغتُفِرَتْ في الصحابة، كقول الصحابي: قال رسول الله ﷺ.

فحُكمُها الاتصالُ إذا كان ممن تُيُقِّنَ سَمَاعُه من رسول الله ﷺ، فإن كان لم يكن له إلا مُجرَّدُ رُؤْية، فقولُه: قال رسول الله ﷺ محمولٌ على الإرسال، كمحمود بن الرَّبِيع، وأبي أُمَامة بن سَهْل، وأبي الطُّفَيل، و مروان.

وكذلك (قال) من التابعي المعروفِ بلقاء ذلك الصحابي، كقول عُروة: قالت عائشة. وكقولِ ابنِ سيرين: قال أبو هريرةَ، فحُكمُه الاتصال.

وأرفَعُ من لفظةِ (قال): لفظةُ (عن). وأرفَعُ من (عن): (أخبرنا)، و (ذَكَرَ لنا)، و (أنبانا). وأرفعُ من ذلك: (حدَّثَنا)، و (سَمِعتُ).

وأما في اصطلاح المتأخرين (أنبأنا)، و (عن)، و (كتَبَ إلينا) واحِدٌ.

۴۱ ...... الفاظ اداء

حدثنا و سمعت کہنا:

"حدثنا" اور "سَمِعتُ" اس وقت کہے جاتے ہیں جب شیخ سے سنا جائے۔ اصطلاحاً کہا جائے گا کہ "حدثنی" جو ایک راوی نے شیخ سے سنا ہوگا، اور "حدثنا" کہا جائے گا جب جماعت کے ساتھ سماع کیا ہوگا۔ بعض محدثین نے "حدثنا" کو اس پر روا رکھا ہے جب قراءت شیخ کے سامنے کی ہو۔

اخبرنا کہنا:

جہاں تک "اخبرنا" کا تعلق ہے یہ شیخ سے سماع اور اس کے سامنے قراءت پر صادق

آتا ہے، یا مجلس میں کوئی دوسرا شیخ کے سامنے پڑھے اور راوی سنے۔ لفظ "الاخبار" (خبر دینا) تحدیث (بیان کرنے) سے عام ہے۔ "أخبرنی" انفراد (ایک شخص کے سماع یا قراءت) کے لیے ہے۔ محققین جیسے امام مالک و بخاری نے "حدثنا"، "أخبرنا"، اور "سمعت" کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ موضوع خاصا وسیع ہے۔

انباء نا اور انا کا حکم:

"انباء نا" اور "أنا" کا حکم بھی وہی ہے۔ لیکن متاخرین کے ہاں یہ اجازت کے سلسلے میں معروف ہے۔ اللہ کریم کا فرمان: ﴿قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِىَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ﴾ ان کے مساوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ حدیث، خبر، نباء مترادفات ہیں۔

بحث و تجزیہ:

مغاربہ (اہلِ مراکش والجزائر) "اخبرنا" کا اطلاق اجازت پر کرتے ہیں۔ یہاں تک بعض متاخرین نے "حدثنا" کا اطلاق اجازت پر کیا ہے۔ یہ تدلیس ہے۔ محدثین میں سے جنھوں نے "قال لنا" کو اجازہ اور مناولہ (سپرد کرنا) شمار کیا ہے۔

محدث کا یہ کہنا کہ اس نے شیخ سے سماع کیا ہے تدلیس میں سے ہےجب کہ مراتب (طبقات رواۃ) سے یہ ثابت ہو کہ اس نے سماع نہیں کیا، جیسا کہ "قُرِئَ علی فلان" یا "أخبرك فلان" کہے۔ کبھی کبھار امام دارقطنی بھی ایسے کرتے ہیں، وہ (دارقطنی) کہتے ہیں۔ "قُرِئَ علی ابی القاسم البغوی" یا اخبرک فلان۔ اور ابونعیم کہتے ہیں "قُرِئَ علی عبد الله بن جعفر بن فارس۔ حدثنا هارون بن سلیمان"۔

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ "اخبرنا فلان من کتابه"۔ اور میں (ذہبی) نے ابن مسیّب کو یہ کرتے ہوئے روایات میں دیکھا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ تدلیس ہے۔ درست یہ کہنا ہے کہ "قولك في کتابه۔"

روایت کی عمر، بحث و تجزیہ:

تدلیس میں سے یہ بھی ہے کہ دو یا تین سال کا بچہ شیخ کے پاس حاضر ہو اور وہ کہے: "انباء نا فلان" اور یہ نہ کہے "انا حاضر" یہ صرف حاضری ہے مسمع (شیخ) کی اجازت سے۔ یہ اتصال نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اجازت سے ہٹ کر ہے جب کہ اجازت ائمہ کے نزدیک اتصال کی ہی نوع ہے۔

ایک سال یا دو سال کے بچے کی حاضری جب کہ اسے اجازت حاصل نہ ہو اسے کوئی فائدہ نہ دے گی، سوائے اس کے کہ وہ کسی شیخ، حافظ یا محدث کے پاس حاضر ہو اور وہ جو حدیث بیان کرے، وہ اس کا فہم رکھتا ہو، پھر اس کی کتابت روایت بمنزلہ اذن کی ہوگی۔

اداء کی صورتیں

ادا کرنے کے الفاظ؛ بحث و نظر:

"حدثنا حجاج بن محمد قال: قال ابن جریج"...... یہاں قال کا صیغہ اتصال پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں نہیں ہے، جیسا کہ صحابی کا کہنا "قال رسول الله ﷺ۔" اس کا حکم اتصال کا ہوگا جب اس کا سماع نبی اکرم ﷺ سے یقینی ہو۔ اگر نبی ﷺ سے صرف رؤیت ہے، پھر ان کا قول "قال رسول الله ﷺ" ارسال پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ محمود بن ربیع، ابو امامہ بن سہل، ابو الطفیل اور مروان۔

اسی طرح معروف تابعی کا کہنا "قال" صحابی سے ملاقات کی وجہ سے ہے، جیسا کہ عروہ کا قول "قالت عائشه" اور ابن سیرین کا کہنا "قال ابو هريره۔" پس ان سب کا حکم اتصال کا ہے۔

"قال" سے ارفع ہے "عن" اور لفظ "عن" سے ارفع ہے "اخبرنا" و "ذکر لنا" اور "انبأ نا" ۔ ان سب سے اعلیٰ "حدثنا" اور "سمعت" ہے۔ متاخرین کی اصطلاح میں "انبأ نا" اور "عن" اور "کتب الینا" ایک ہی مفہوم میں ہیں۔

٢٢ المقلوب

هـو ما رواه الشيخُ بإسنادٍ لم يكن كذلك، فَيَنقلِبُ عليه ويَنُطُّ مـن إسنادِ حديثٍ إلى مَتْنٍ آخَرَ بعدَه- أو: أن يَنقلِبَ عليه اسمُ راوٍ مثـلُ (مُرَّة بن كعب) (كعب بن مُرَّة)، و (سَعْد بن سِنان) (سِنَان بن سَعْد).

فـمـن فـعَـلَ ذلك خطأ فقريب، ومن تعمَّد ذلك وركَّبَ متناً عـلـى إسـنادٍ ليس له، فهو سارقُ الحديث، وهو الذى يقال فى حَقَّه، فلانٌ يَسرِقُ الحديث- ومن ذلك أن يَسرِقَ حديثاً ما سَمِعَه، فيدَّعِيَ سماعَهُ من رجل.

وإن سَـرَق فـأَتـى بـإسـنادٍ ضعيفٍ لمتنٍ لم يَثبُت سنَدُه، فهو أخفُّ جُرماً ممن سَرَق حديثاً لم يصحَّ متنُه، وركَّب له إسناداً صـحيـحاً، فإن هذا نوع من الوضع والافتراء- فإن كان ذلك فـى متـون الحلال والحرام، فهو أعظمُ إثماً وقد تبوَّأَ بيتاً فى جهنم.

وأمَّا سَرِقَةُ السماع وادَّعاءُ مالك يَسمع من الكتب والأجزاء، فهـذا كـذبٌ مـجرَّد، ليس من الكذب على الرسول ﷺ، بل مِـن الـكـذب عـلى الشيوخ، ولن يُفلِحَ من تعاناه، وقلَّ من سَتَرَ اللّٰه عليه منهم، فمنهم مَنْ يَفتَضِحُ فى حياتِه، ومنهم من يَفتَضِحُ بعدَ وفاتِه، فنسألُ اللّٰهَ السَّتر والعفو.

فصل:

لا تُشتَـرَطُ الـعـدالةُ حـالةَ التـحمُّل، بل حالةَ الأداء، فَيَصِحُّ

سماعُهُ كافراً و فاجراً و صبّياً، فقد رَوى جُبَير بن مُطْعِم رضي الله عنه أنه سَمِعَ النبيَّ ﷺ يقرأ فى المغرب (الطُّوْر)۔ فسَمِعَ ذلك حالَ شِركِه، ورَوَاه مؤمناً .

واصطلح المحدَّثون على جعلِهم سَمَاعَ ابن خمس سنين: سَمَاعاً، وما دونها: حُضُوراً۔ واستأنَسُوا بأنَّ محمودًا (عَقَل مَجَّةً)۔ ولا دليلَ فيه۔ والمعتَبُر فيه إنما هو أهليةُ الفهم والتمييز .

١۔مسألة: يَسُوغُ التصرُّفُ فى الإِسناد بالمعنى إلى صاحب الكتابِ أو الجزء۔ وكرِهَ بعضُهم أن يزيدَ فى ألقابِ الرواة فى ذلك، وأن يزيدَ تاريخَ سماعِهم، وبقراءةِ من سمِعُوا، لأنه قَدْرٌ زائد على المعنى .

ولا يَسُوغُ إذا وَصَلْتَ إلى الكتاب أو الجزء، أن تَتصرَّفَ فى تغيير أسانيدِه ومُتُونِه، ولهذا قال شيخنا ابنُ وهب: ينبغى أن يُنظَرَ فيه: هل يَجبُ؟ أو هو مُستَحْسَن؟ وقَوَّى بعضُهم الوجوبَ مع تجويزهم الروايةَ بالمعنى، وقالوا: مالَهُ أن يُغيَّر التصنيفَ۔ وهذا كلامُ فيه ضعف .

أمَّا إذا نقلنا من (الجزء) شيئًا إلى تصانِيفنا و تخارِيجنا، فإنه ليس فى ذلك تغييرٌ للتصنيف الأول .

قلتُ: ولا يَسُوغُ تغييرُ ذلك إلا فى تقطيع حديثٍ، أو فى جَمْعِ۔ أحاديثَ مفرَّقةٍ، إسنادُها واحد، فيقال فيه: وبِهِ إلى النبى ﷺ .

٢ـمسألة: تَسمَّحَ بعضُهم أن يقول: سَمِعتُ فلاناً، فيما قَرَأة عليه، أو يَقرُؤه عليه الغيرُ- وهذا خلافُ الاصطلاح أو من بابِ الروايةِ بالمعنى، ومنه قولُ المؤرِّخين: سَمِعَ فلاناً و فلانًا.

٣ـمسألة: إذا أَفرَد حديثاً من مثل نسخة هَمَّام، أو نسخة أبى مُسْهِر، فإنْ حافَظَ على العبارة جاز وِفَاقاً، كما يقول مسلم: "فذكَرَ أحاديثَ، منها: وَقال رسولُ اللّٰه ﷺ"- وإلا فالمحقَّقون على الترخيصِ فى التصريفِ السائِغ.

٤ـمسألة: اختصارُ الحديث و تقطيعُه جائزٌ إذا لم يُخِلَّ معنًى- ومن الترخيص تقديمُ مَتْنٍ سَمِعَه على الإِسناد، وبالعكس، كأن يقول: قال رسولُ اللّٰه ﷺ: النَّدَمُ تَوْبَة، أخبَرَنا به فلان عن فلان.

٥ـمسألة: إذا ساق حديثاً بإسناد، ثم أَتبعَه بإسنادٍ آخَرَ وقال: مثلُه، فهذا يجوزُ للحافظ المميَّز للألفاظ، فإن اختَلَف اللفظُ قال: نحُوه، أو قال: بمعناه، أو بنحوٍ منه.

٦ـمسألة: إذ قال: حدَّثَنا فلانٌ مذاكَرةً، دَلَّ على وَهْنٍ مَّا، إذ المذاكرةُ يُتَسمَّحُ فيها.

ومن التساهل: السَّماعُ من غير مقابلة، فإن كان كثيرَ الغَلَط لم يَجُز، وإن جَوَّزنا ذلك فيَصِحُّ فيما صَحَّ من الغلط، دون المغلوط، وإن نَدَر الغَلَطُ فمُحتَمَل، لكن لا يجوزُ له فيما بعدُ أن يُحدَّث من أصلِ شيخِه.

﴿۲۲﴾......مقلوب

تعریف:

مقلوب وہ روایت ہے جسے اپنے شیخ سے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہو لیکن راوی اصل سند نہ رہنے دے بلکہ ایک روایت کی سند کو کسی دوسری روایت کے متن کے ساتھ لگا کر تبدیلی کردے یا رواۃ کے نام پلٹ دے، جیسا کہ "مرہ بن کعب" کی جگہ "کعب بن مرہ" اور "سعد بن سنان" کی جگہ "سنان بن سعد" کردے۔

سارق الحدیث

جو ایسا کرے یعنی حدیث چرالے، وہ خطا پر ہے۔ جو ایک روایت کی سند کے ساتھ کسی دوسری سند کا متن جوڑ دے، حالانکہ وہ اس حدیث کی سند نہ ہو تو اسے سارق الحدیث کہتے ہیں۔اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ "فلان یسرق الحدیث" یہ ایسے ہی ہے کہ وہ ایک روایت چُرالے، پھر وہ کسی شخص سے اپنے سماع کا مدعی ہو۔

بحث و تجزیہ:

اور اگر سارق متن کے لیے ضعیف اسناد لائے جس کی سند ثابت نہ ہو، اس کا جرم اس کے مقابلے میں خفیف ہے جس نے حدیث چرائی اور اس کا متن ہی درست نہیں، جب کہ اس نے اسے صحیح سند کے ساتھ ملادیا۔ یہ وضع وافتراء کی قسم ہے۔ اگر یہ متن حلال وحرام سے متعلق ہو تو یہ بڑا گناہ اور جہنم میں اپنا گھر بنانے کے مترادف ہے۔

اگر اس کا ادعا ہو کہ اس نے کسی کتاب یا اجزاء سے سماع نہیں کیا تو وہ فقط کذاب ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھتا بلکہ اپنے شیوخ پر باندھتا ہے۔ ایسا شخص ہرگز فلاح نہ پائے گا۔ ان میں قلیل ہیں جن کی اللہ عزوجل نے ستر پوشی کی۔ ان میں سے بعض کی رسوائی اُنھی کی زندگی میں ہوئی اور بعض رسواء بعد از وفات ہو گئے۔ ہم اللہ سے ستر پوشی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فصل (تحمل حدیث):

حدیث کے تحمل (اخذ کرنے) میں عدالت کی شرط نہیں ہے بلکہ حدیث بیان کرنے کی حالت کے لیے ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ کوئی کافر، فاجر اور بچہ سماع کرے۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز مغرب میں ''الطّور'' کی قراءت کرر ہے تھے جبکہ انھوں نے حالت شرک میں سماع کیا اور مومن ہونے کے بعد روایت بیان کی۔

راوی کی عمر:

محدثین کی اصطلاح میں پانچ سال کے لڑکے کا سماع درست ہے جو اس سے کم عمر کے لیے محض حاضری ہے۔ انھوں نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم محمود بن ربیع الانصاری سے دلیل پکڑی ہے۔ یہ کوئی وزنی دلیل نہیں۔ معتبر یہ ہے کہ اس میں فہم وتمیز کی اہلیت ہو۔

اسناد بالمعنی میں تصرف

جو اسناد بالمعنی روایت کی گئی ہوں ان میں تصرف جائز ہے، صاحب کتاب یا جزء کی طرف سے، لیکن بعض نے اسے ناپسند کیا ہے کہ القاب رواۃ میں کوئی اضافہ کیا جائے، یا ان کی تاریخ سماع یا جس سے سنا اس کی قراءت میں اضافہ کیا جائے، کیونکہ یہ اس کے معنی میں اضافہ ہے۔

یہ جائز نہیں کہ ایک کتاب یا جزء ملے اور اس کے اسانید ومتون میں تصرف روا رکھا جائے۔ اسی لیے ہمارے شیخ ابن وہب نے کہا: ضروری ہے کہ اس میں دیکھا جائے آیا یہ واجب ہے یا مستحسن؟ بعض محدثین نے وجوب کا کہا ہے اور روایت بالمعنی کے جائز ہونے کی بات کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ یہ تصنیف کو بدلنا نہیں ہے بلکہ یہ ضعیف کلام کو نکالنا ہے۔ جب ہم کسی جزء یا کتاب سے کوئی اقتباس اپنی تصنیف اور تخریج کے لیے نقل کرتے ہیں تو پہلے تصنیف کرنے والے کی کتاب میں تغییر واقع نہیں ہوتی۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں کتاب یا جزء میں تبدیلی درست نہیں کیونکہ یہ تو حدیث میں کانٹ چھانٹ یا متفرق احادیث کو جمع کرنا ہے جن کی اسناد ایک ہوں، پھر بھی اس سلسلے میں کہا جاتا ہے "به الی النبی ﷺ" (اس کی نبی ﷺ تک سند ہے۔)

سمعت فلانا کہنا:

بعض محدثین نے اس میں تساہل سے کام لیا ہے کہ کہا جائے "سمعت فلانا"، "قراه علیه" یا "یقرؤه الغیر۔" یہ اصطلاح کے خلاف یا یہ روایت بالمعنی کے باب سے ہے۔ مؤرخین کا قول بھی ایسا ہی ہوتا ہے "سمع فلاناً و فلاناً"

روایت حدیث میں تفرد:

جب حدیث میں تفرد ہو جیسے نسخہ ہمام یا ابی مسہر۔ صاحب نسخہ اس کی عبارت کا حافظ ہے تو اس کی موافقت کرنا جائز ہے، جیسا کہ امام مسلم کہتے ہیں "فذکر احادیث، منها: و قال رسول الله ﷺ"

اگر ایسا نہ ہو تو محققین نے اس میں جائز تصریف کی رخصت دی ہے۔

اختصار و تقطیع حدیث:

اختصارِ حدیث اور اس میں تقطیع کرنا جائز ہے جب کہ اس کے معنی میں خلل واقع نہ ہو۔ سُنے ہوئے متن کی اسناد پر تقدیم اور اس کے برعکس جائز ہے۔ گویا کہ "قال رسول الله ﷺ الندم توبة، اخبرنا به فلان عن فلان۔"

سند کا بدلنا

جب ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے ساتھ ملایا جائے تو یہ اس حافظ کے لیے جائز ہے جو الفاظ کی پہچان رکھتا ہو۔ اگر لفظوں کا اختلاف ہے تو وہ کہے گا "نحوه" یا کہے گا "بمعناه" یا اس کی مثل کلام کرے گا۔

مذاکرہ اور روایت حدیث:

جب محدث کہے "حدثنا فلان مذاكرةً" تو یہ حدیث کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ مذاکرہ میں تساہل برتا جاتا ہے۔

اور تساہل میں بغیر تقابل کے سماع ہوتا ہے۔ اگر اس میں کثیر غلطیاں واقع ہوں تو جائز نہیں۔ اگر اس کو صحیح قرار دیا جائے تو صحیح بات کی تصحیح ہوگی، غلط کی نہیں۔ اگر اس میں غلطی ہے تو محتمل (احتمالی) کہلائے گی۔ لیکن راوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ بعد میں بغیر اصل سے تقابل کیے بیان کردے۔

۲۳ آدابُ المحدِّث

تصحيحُ النيَّةِ من طالب العلم متعيَّن، فمن طَلَب الحديثَ للمكاثرة أو المفاخرة، أو ليَروِيَ، أو لِيتناوَلَ الوظائفَ، أو ليُثْنَى عليه وعلى معرفتِه، فقد خَسِر۔ وإنْ طَلَبه لله، وللعمل به، وللقُربةِ بكثرة الصلاة على نبيه ﷺ، ولنفعِ الناس، فقد فاز۔ وإن كانت النيَّةُ ممزوجةً بالأمرينِ فالحكمُ للغالب.

وإن كان طَلَبه لفَرْطِ المحبةِ فيه، مع قطع النظر عن الأَجْرِ وعن بني آدم، فهذا كثيراً مَّا: يَعترى طلبةَ العُلُوم، فلعلَّ النيَّةَ أن يَرزُقَها اللّٰهُ بعدُ، وأيضاً فمن طَلَب العلم للآخِرة كَسَاهُ العِلمُ خَشْيَةً لله، واستكانَ وتواضَعَ، ومن طلبه للدنيا تكبَّرَ به و تكثَّرَ و تجبَّر، وازدَرَى بالمسلمين العامَّة، وكان عاقبةُ أمرِه إلى سِفَالٍ و حَقَارة.

فليحتسِب المحدِّثُ بحديثِه، رجاءَ الدخولِ في قول ﷺ، "نَضَّر الله امرءاً سَمِعَ مقالتي فوعاها، ثم أدَّاها إلى من لم يَسمعها".

ولْيَبْـذُلْ نـفسَه للطلبةِ الأخيار، لاسيما إذا تَفرَّد، ولْيَمْتَنِعْ مع الهَـرَمِ و تغيُّرِ الذهن، ولْيَعْهَدْ إلى أهله وإخوانه حالَ صحته: أنكم متى رأيتمونى تغيَّرتُ، فامنَعُونى من الرواية.

فـمـن تَـغيَّـرَ بسُـوءِ حـفـظٍ ولـه أحـاديثُ معدودة، قد أَتقَنَ روايتَها، فلا بأس بتحديثِه بها زمنَ تغيُّره.

ولا بـأس بأن يُجيزَ مرويَّاتِه حالَ تغيُّره، فإنَّ أصولَه مضبوطةٌ ما تغيَّرتْ، وهو فَقَدْ وَعَى ما أجاز۔ فإن اختَلَط و خَرِفَ امتُنِعَ من أَخْذِ الإِجازةِ منه.

ومـن الأدب أن يُـحـدَّثَ مـع وجـودِ مـن هـو أولَى منه لِسِنِّه وإتـقـانِه۔ وأن لا يُحدَّثَ بشيء يَرويه غيرُه أعلى منه، وأن لا يَغُشَّ المبتدِئين، بل يَدُلَّهم على المُهِمّ، فالدِّينُ النصيحة.

فـإنْ دَلَّهـم عـلـى مُـعَـمَّـرٍ عـامِيّ، وعَلِمَ قُصورَهم فى إقامةِ مرويَّاتِ العامىّ، نَصَحهم ودَلَّهم على عارفٍ يَسمعون بقراءتِه، أو حَضَر مع العامىّ ورَوَى بنُزولٍ، جَمْعاً بين الفوائد.

ورُوى أنَّ مـالكاً رحمه الله كان يَغتسِلُ للتحديث، ويَتبخَّرُ، ويتـطيَّـبُ، ويَـلْبَـسُ ثيابَه الحسنة، ويَلزمُ الوَقارَ والسَّكينة، ويَزْبُرُ من يَرفعُ صوتَه، ويُرَتِّلُ الحديث.

وقـد تَسمَّح الناسُ فى هذه الأعصار بالإسراع المذموم، الذى يَـخـفَـى مـعه بعضُ الألفاظ۔ والسماعُ هكذا لا مِيزةَ له على الإجازةِ، بل الإِجازةُ صِدْقٌ، وقولُك، سَمِعتُ أو قرأتُ هذا الجزءَ كلَّه۔ مع التُمْتَمةِ ودَمْجِ بعضِ الكلمات۔ كَذِبٌ.

وقـد قـال النَّسائيُّ في عِدَّةِ أماكنَ من "صحيحه": وذَكَرَ كلمةُ معناها كذا وكذا .

وكـان الـحُـفَّـاظُ يَـعـقِـدون مجالسَ للإملاء ، وهذا قد عُدِمَ اليوم ، والسماعُ بالإملاء يكون مُحققًا ببيانِ الألفاظِ للمُسمِع والسامع .

ولْيـجتـنِبْ روايةَ المشكلات ، مما لا تحملُه قلوبُ العامَّة ، فإن رَوَى ذلك فليكن في مجالسَ خاصة .

ويَحرُمُ عليه روايةُ الموضوع ، وروايةُ المطروح ، إلا أن يُبيِّنَه للناسِ ليَحذَرُوه .

الثقة:

تُشتَـرَطُ الـعـدالةُ في الراوي كالشاهد ، ويمتازُ الثقةُ بالضبطِ والإتقان ، فإن انضاف إلى ذلك المعرفةُ والإكثارُ ، فهو حافظ .

والحُفَّاظُ طبقات:

١ في ذِرْوَتِها أبو هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ .
٢ وفي التابعين كابنِ المسيَّب .
٣ وفي صِغارِهم كالزُّهريِّ .
٤ وفي أتباعِهم كسفيان ، وشعبة ، و مالك .
٥ ثم ابنِ المبارك ، ويحيى بنِ سعيد ، ووكيع ، وابنِ مهدي .
٦ ثـم كـأصـحـابِ هـؤلاء ، كـابن المَدِيني ، وابنِ مَعِين ، وأحمد ، وإسحاق ، وخَلْق .
٧ ثم البخاريِّ ، وأبي زُرْعَة ، وأبي حاتم ، وأبي داود ، ومُسْلِم .

⑧ ثم النَّسائیٌ، و موسی بنِ هارون، و صالحِ جَزَرَة، وابنِ خُزَیمة.

⑨ ثم ابنِ الشَّرْقی- وممن یُوصَفُ بالحفظ والإتقان جماعةً من الصحابة والتابعین.

⑩ ثم عُبَیْدِ الله بنِ عمر، وابنِ عَوْن، ومِسْعَر.

⑪ ثم زائدة، واللیثِ، و حمَّادِ بن زید.

⑫ ثم یزیدُ بنُ هارون، وأبو أسامة، وابنُ وهب.

⑬ ثم أبو خیثمة، وأبو بکر بن أبی شیبة، وابن نُمَیر، وأحمد بن صالح.

⑭ ثم عَبَّاسٌ الدُّوْرِی، وابنُ وارَهٌ، والترمذیُّ، وأحمدُ بن أبی خَیْثَمة، وعبدُالله بن أحمد.

⑮ ثم ابنُ صاعِد، وابن زیاد النیسابوری، وابنُ جَوْصَا، وابنُ الْأَخْرَم.

⑯ ثم أبو بکر الإسماعیلی، وابنُ عَدِیٌ، وأبو أحمد الحاکم.

⑰ ثم ابنُ منده، و نحُوه.

⑱ ثم البَرْقَانیُّ، وأبو حازم العَبْدَوِی.

⑲ ثم البیهقیُّ، وابنُ عبدالبَرٌ.

⑳ ثم الحُمَیدی، وابنُ طَاهِر.

㉑ ثم السَّلَفِیٌ، وابنُ السَّمْعانی.

㉒ ثم عبدالقادر، والحازمی.

㉓ ثم الحافظ الضیاء، وابنُ سید الناس خطیبُ تونس.

㉔ ثم حفیدُه حافظ وقتِه أبو الفتح.

ومـمن یُعَدُّ من الحفاظِ فی الطبقةِ الثالثة: عَدَدٌ من الصحابةِ و

خلقٌ من التابعين وتابعيهم، وهلُمَّ جراً إلى اليوم.

❶ فمثلُ يحيى القطان، يقال فيه: إمامٌ، وحُجَّة، وثَبْت، وجِهْبِذ، وثِقَةٌ ثِقَة.

❷ ثم ثقةٌ حافظ.

❸ ثم ثقةٌ مُتقِن.

❹ ثم ثقةٌ عارف، و حافظٌ صدوق، ونحُو ذلك.

فهؤلاء الحُفَّاظُ الثقات، إذا انفرد الرجلُ منهم من التابعين، فحديثُه صحيح۔ وإن كان من الأتباعِ قيل: صحيح غريب.

وإن كان من أصحابِ الأتباع قيل: غريبٌ فَرْد.

ويَنْدُرُ تفرُّدهم، فتجدُ الإمامَ منهم عندَه مِئتا ألفِ حديث، لا يكادُ ينفرد بحديثينِ ثلاثة.

ومن كان بعدَهم فأين ما يَنفرِدُ به، ما علمتُه، وقد يُوجَد.

ثم نَتْقَلِ إُلى اليَقِظِ الثقةِ المتوسِطِ المعرفةِ والطلب، فهو الذى يُطلَقُ عليه أنه ثقة، وهم جُمهورُ رجالِ "الصحيحين" فتابِعِيهم، إذا انفَرَد بالمَتْن خُرِّج حديثُه ذلك فى (الصحاح).

وقد يَتوقَّفُ كثيرٌ من النُّقَّاد فى إطلاق (الغرابة) مع (الصحة)، فى حديثِ أتباعِ الثقات۔ وقد يُوجَدُ بعضُ ذلك فى (الصحاح) دون بعض.

وقد يُسمَّى جماعةٌ من الحفاظ الحديثَ الذى ينفرد به مثلُ هُشَيْم، وحفصِ بنِ غِياثٍ: منكراً.

فإن كان المنفرد من طبقة مشيخة الأئمة، أطلقوا النكارةَ على ما انفرد به مثلُ عثمان بن أبى شيبة، وأبى سَلَمة التَّبُوْذَكِيّ، وقالوا: هذا منكر.

فإن رَوَى أحاديثَ من الأفراد المنكرة، غَمَزُوه وليَّنوا حديثَه، وتوقفوا فى توثيقه، فإن رَجَع عنها وامتَنَع من روايتها، وجَوَّز على نفسِه الوَهَمَ، فهو خيرٌ له وأرجَحُ لعدالته، وليس من حَدِّ الثقةِ: أنَّهُ لا يَغلَطُ ولا يُخطِىء، فمن الذى يَسلمُ من ذلك غيرُ المعصومِ الذى لا يُقَرُّ على خطأ؟

فصل

الثقة: من وثَّقَه كثيرٌ ولم يُضعَّف. ودُونَه: من لم يُوثَّق ولا ضُعَّف.

فإن خُرَّج حديثُ هذا فى "الصحيحين" فهو مُوَثَّق بذلك، وإن صَحَّح له مثلُ الترمذيّ وابنِ خزيمة فجيِّدٌ أيضاً، وإن صَحَّحَ له كالدار قطنيّ والحاكم، فأقلُّ أحوالِه: حُسْنُ حديثه.

وقد اشتَهَر عند طوائف من المتأخرين، إطلاقُ اسم (الثقة) على من لم يُجْرَح، مع ارتفاع الجهالةِ عنه. وهذا يُسمَّى: مستوراً، ويُسمَّى: محلُّه الصدق، ويقال فيه: شيخ.

وقولهم: (مجهول)، لا يلزمُ منه جهالةُ عينه، فإن جُهِلَ عينهُ وحالُه، فأَولَى أن لا يَحتجُّوا به.

وإن كان المنفرِدُ عنه من كبارِ الأثبات، فأقوى لحاله، ويَحتَجُّ بمثِله جماعةٌ كالنّسائى وابنِ حِبَّان.

ويَـنْبُـوعُ معرفةِ (الثقات): تاريخُ البخارىِّ، وابنِ أبى حاتم، وابنِ حِبَّان، وكتابُ "تهذيب الكمال".

فصل:

من أَخرَج له الشيخان أو أحدُهما على قسمين:

أحـدُهـمـا: مـا احتَجَّا به فى الأصول- وثانيهما: من خرَّجا له متابعةً و شَهادَةً و اعتباراً.

فـمـن احتجَّا به أو أحدُهما، ولم يُوثَّق، ولا غُمِزَ، فهو ثقة، حديثُهُ قوى.

ومن احتَجَّا به أو أحدُهما، وتُكلِّم فيه:

فتارةً يـكـون الكلامُ فيه تعنُّتاً، والجمهورُ على توثيقِه، فهذا حديثُهُ قوىٌ أيضاً.

وتـارـةً يكون الكلامُ فى تليينِهِ و حِفظِهِ له اعتبار- فهذا حديثُه لا يَـنـحـطُّ عـن مـرتبة الـحسَـن، الـتٌ قد نُسمَّيها: من أدنى درجات (الصحيح).

فـما فى "الكتابين" بحمد اللّٰه رجلٌ احتَجَّ به البخارىُّ أو مسلمٌ فى الأصولِ، ورواياتُهُ ضعيفة، بل حَسَنةٌ أو صحيحة.

ومـن خَـرَّجَ لـه البخارىُّ أو مسلمٌ فى الشواهد والمتابَعات، فـفيهم من فى حِفظِه شىء، وفى توثيقِه تردُّد- فكلُّ من خُرِّجَ لـه فـى "الـصـحيحين"، فقد قَفَزَ القَنْطَرة، فلا مَعْدِلَ عنه إلا ببرهانٍ بَيْن.

نـعـم، الـصحيحُ مراتب، والثقاتُ طَبَقات، فليس مَنْ وُثْق

مـطـلـقـاً كـمـن تُـكلِّمَ فيه، وليس من تُكلِّم فى سُوءِ حفظِه واجتهـادِه فى الطَّلَب، كمن ضعَّفوه، ولا من ضعَّفوه ورَوَاْه له كمن تركوه، ولا من تركوه كمن اتَّهموه وكذَّبوه.

فـالتـرجيحُ يَدخُلُ عند تعارُضِ الروايات۔ وحَصْرُ الثقاتِ فى مصنْفٍ كالمتعذَّر۔ وضَبْطُ عَدَدِ المجهولين مستحيل.

فـأمَّـا مـن ضُـعِّفَ أو قيـل فيه أدنى شىء، فهذا قد ألَّفتُ فيه مختصراً سمَّيتُه "المغنى"، وبَسَطتُ فيه مؤلَّفاً سَمَّيتُه "الميزان".

فصل:

ومـن الثـقـات الذين لم يُخْرَجْ لهم فى "الصحيحين" خَلْقٌ، مـنهـم: مـن صَحَّح لهم الترمذىُّ وابنُ خزيمة، ثم: من رَوَى لهـم الـنسـائـى وابنُ حِبَّان وغيرُهما، ثم: لم يُضَعِّفْهم أحد، واحتَجَّ هؤلاء المصنَّفون برواياتهم.

وقـد قيل فى بعضهم: فلانٌ ثقة، فلان صدوق، فلان لا بأس بـه، فـلان ليـس به بأس، فلان محلُّه الصدق، فلان شيخ، فـلان مستـور، فلان رَوَى عنه شعبة، أو: مالك، أو: يحيى، وأمثـالُ ذلك: فُـلانٌ حسَنُ الحديث، فلانٌ صالحُ الحديث، فلانٌ صدوقٌ إن شاء اللّٰه.

فهذه العبارات كلُّها جيِّدة، ليسَتْ مُضعِّفةٌ لحالِ الشيخ، نعم ولا مُـرَقِّيةً لـحديثِه إلى درجة الصَّحَّةِ الكاملةِ المتفَقِ عليها، لكنْ كثيرٌ ممن ذكرنا مُتَجاذَبٌ بين الاحتجاجِ به و عَدَمِه.

وقـد قيـل فـى جَـمَـاعـاتٍ: ليـس بالقوىُّ، واحتُجَّ به۔ وهذا

النَّسائىُّ قد قال فى عِدَّةٍ: ليس بالقوىُّ، ويُخرِجُ لهم فى "كتابه"، فإنَّ قولَنا: (ليس بالقوى) ليس بجَرْحٍ مُفْسِد.

والكلامُ فى الرُّواة يَحتاجُ إلى وَرَعٍ تامٍّ، وبَراءةٍ من الهوى والمَيْل، وخِبرةٍ كاملةٍ بالحديثِ، وعِلَلِه، ورجالِه.

ثم نحن نفتَقِرُ إلى تحرير عباراتِ التعديلِ والجرح وما بين ذلك، من العباراتِ المُتَجاذَبَة.

ثم أهَمُّ من ذلك أن نَعلمَ بالاستقراءِ التامَّ: عُرْفَ ذلك الإمامِ الجِهْبِذ، واصطلاحَه، ومقاصِدَه، بعباراتِه الكثيرة.

أما قولُ البخارى: (سكتوا عنه)، فظاهِرُها أنهم ما تعرَّضوا له بجَرْحٍ ولا تعديل، وعَلِمنا مقصدَه بها بالاستقراء، أنها بمعنى تركوه.

وكذا عادَتُه إذا قال: (فيه نظر)، بمعنى أنه متَّهم، أو ليس بثقة- فهو عنده أُسْوَأُ حالاً من (الضعيف).

وبالاستقراءِ إذا قال أبو حاتم: (ليس بالقوى)، يُريد بها: أنَّ هذا الشيخ لم يَبلُغ درَجَةَ القوىِّ الثَّبْت- والبخارىُّ قد يُطلِقُ على الشيخ: (ليس بالقوى)، ويريد أنه ضعيف.

ومن ثَمَّ قيل: تجبُ حكايةُ الجرح والتعديل، فمنهم من نَفَسُهُ حادٌّ فى الجَرْح، ومنهم من هو معتدِل، ومنهم من هو متساهل.

فالحادُّ فيهم: يحيى بنُ سعيد، وابنُ معين، وأبو حاتم، وابنُ خِراش، وغيرُهم.

والمعتدلُ فيهم: أحمد بن حنبل، والبخارى، وأبو زُرْعَة.

والمتساهلُ كالترمذيَّ، والحاكم، والدار قطنيَّ في بعض الأوقات.

وقد يكون نَفَسُ الإمام- فيما وافَقَ مذهبَه، أو في حالِ شيخِه- ألطفَ منه فيما كان بخلاف ذلك- والعِصمةُ للأنبياءِ والصدِّيقين و حُكَّام القِسْط.

ولكنَّ هذا الدين مؤيَّد محفوظ من الله تعالى، لم يَجتمع علماؤه على ضلالة، لا عَمْداً ولا خطأ، فلا يَجتمِعُ اثنان على توثيقِ ضعيف، ولا على تضعيفِ ثقة، وإنما يقعُ اختلافُهم في مراتبِ القُوَّةِ أو مراتبِ الضعف- والحَاكمُ منهم يَتكلَّمُ بحسبِ اجتهادِهِ وقُوَّةِ معارِفِه، فإن قُدِّرَ خطؤه في نقده، فله أجرٌ واحد، والله الموفق.

وهذا فيما إذا تكلَّموا في نقدِ شيخٍ وَرَدَ شيءٌ في حِفظِه و غَلَطِه، فإن كان كلامُهم فيه من جهةِ معتَقَدِه، فهو على مراتب:

فمنهم: من بِدْعَتُه غليظة.

ومنهم: من بِدْعتُه دون ذلك.

ومنهم: الداعي إلى بدعتِه.

ومنهم: الكافُّ، وما بينَ ذلك.

فمتى جَمَع الغِلَظَ والدعوةَ تُجُنِّبَ الأخذُ عنه.

ومتى جَمَع الخِفَّةَ والكفَّ أَخذوا عنه وقَبِلُوه.

فالغِلَظُ كغُلاةِ الخوارج، والجهميةِ، والرافضةِ.

والخِفَّةُ كالتشيُّع والإرجاء .

وأمَّا من استَحلُّ الكذبَ نَصراً لِرَأيه كالخطَّابيَّة فبالأولى رَدُّ حديثِه .

قال شيخنا ابنُ وَهْب: العقائدُ أو جبَتْ تكفيرَ البعضِ للبعض ، أو التبديعَ ، وأَوجبَتِ العَصَبِيَّةَ ، ونشأ من ذلك الطعنُ بالتكفيرِ والتبديع ، وهو كثير فى الطبقة المتوسِّطةِ من المتقدمين .

والذى تَقرَّرَ عندنا: أنه لا تُعتَبرُ المذاهبُ فى الرواية ، ولا نُكفِّرُ أهلَ القِبلة ، إلا بإنكارِ مُتواترٍ من الشريعة ، فإذا اعتَبَرْنَا ذلك ، وانضمَّ إليه الورَعُ والضبطُ والتقوى فقد حَصَل مُعْتَمَدُ الرواية ـ وهذا مذهبُ الشافعى رضى الله عنه ، حيث يقول: أَقبَلُ شهادةَ أهلِ الأهواءِ إلا الخَطَّابيَّةَ من الرَّوَافِض .

قال شيخنا: وهل تُقبَلُ روايةُ المبتدِع فيما يؤيِّدُ به مذهبَه؟ فمن رأى رَدَّ الشهادةِ بالتُّهْمَة ، لم يَقبَل ـ ومن كان داعيةُ مُتَجاهِراً ببدعتِه ، فليُترَك إهانةً له ، وإخماداً لمذهبِه ، اللهم إلا أن يكون عنده أَثَرٌ تفرَّدَ به ، فنُقدِّمُ سَمَاعَهُ منه .

ينبغى أن تُتَفَقَّدَ حالُ الجارح مع من تَكلَّم فيه ، باعتبار الأهواء ، فإن لاح لك انحرافُ الجارح ، ووجدتَ توثيقَ المجروح من جهةٍ أخرى ، فلا تَحفِلْ بالمنحرِف و بغَمْزِه المبهَم ، وإن لم تجد توثيقَ المغموز فتأَنَّ و ترفَّقْ .

قال شيخُنا ابنُ وَهْب رحمه الله: ومن ذلك: الاختلافُ الواقعُ

بين المتصوِّفة وأهلِ العلمِ الظاهرِ، فقد وَقع بينهم تنافُرٌ أوجَبَ كلامَ بعضِهم فى بعض.

وهذه غَمْرَةٌ لا يَخلُصُ منها إلا العالمُ الوَافى بشواهد الشريعة. ولا أَحْصُرُ ذلك فى العلمِ بالفروع، فإنْ كثيراً من أحوال المُحِقِّينَ من الصوفية، لا يَفِى بتميزِ حَقِّه من باطِلِه عِلمُ الفروع، بل لا بُدَّ من معرفةِ القواعدِ الأصولية، والتمييزِ بين الواجبِ والجائز، والمستحيلِ عقلاً والمستحيلِ عادَةً.

وهو مقامٌ خَطِر، إذ القادِحُ فى مُحِقِّ الصُّوفية، داخلٌ فى حديث "من عادَى لى وَلِيًّا فقد بارَزَنى بالمُحارَبة". والتارِكُ لإِنكارِ الباطلِ مما سَمِعَه من بعضِهم تاركُ للأمر بالمعروف والنهى عن المنكر.

ومن ذلك: الكلامُ بسبب الجهل بمراتب العلوم، فيُحتاجُ إليه فى المتأخرين أكثرُ، فقد انتَشَرَتْ علومٌ للأوائل، وفيها حَقٌّ كالحسابِ والهندسةِ وَالطِّبِّ، وباطلٌ كالقولِ فى الطبيعيَّاتِ وكثيرٍ من الإلهيَّاتِ وأحكامِ النجوم.

فيَحتاجُ القادحُ أن يكون مُميِّزاً بين الحقِّ والباطل، فلا يُكفِّرَ من ليس بكافر، أو يَقبلَ روايةَ الكافر.

ومنه: الخَلَلُ الواقعُ بسببِ عَدَمِ الوَرَعِ والأَخْذِ بالتوهُّم والقرائنِ التى قد تَتخلَّفُ، قال صلى الله عليه وسلم: "الظَّنُّ أكذَبُ الحديث". فلا بد من العلم والتقوى فى الجَرْح،

فَلِصُعُوبةِ اجتماع هذه الشرائط فى المزكّين ، عَظُمَ خَطَرُ الجَرْح والتعديل .

۲۳ ......آداب محدث

تحصیل حدیث میں تصحیح نیت:

اس سلسلے میں طالب علم کی نیت کی تصحیح ضروری ہے۔ جو حدیث کا علم مکاثرہ (دوسروں سے آگے بڑھنے) یا مفاخرہ کے لیے حاصل کرتا ہے یا کہ وہ وظائف پائے یا اس کا نام ہونے پر اس کی تعریف کی جائے تو ان سب میں خسارہ ہے۔

اگر وہ اللہ کے لیے اور اس پر عمل کرنے، نبی کریم ﷺ پر بکثرت درود وسلام کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے اور لوگوں کے نفع کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو وہ کامیاب ہے۔ اگر اس کی نیت مخلوط ہے تو غالب کا حکم دیا جائے گا۔

اگر طالبعلم حدیث سے انتہائی محبت کی وجہ سے علم حاصل کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اسے بنی آدم سے کچھ حاصل ہوگا، تو اس ضمن میں اکثر طلبہ عاری ہیں۔ شاید ان کی نیت ہو کہ اللہ انھیں اس کے بعد رزق دے۔ جو طالبعلم آخرت کے لیے علم کی پوشاک اوڑھتا ہے، وہ خشیت الٰہی اور تواضع اختیار کرتا ہے۔ جو طلب دنیا کے لیے علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس میں تکبر و جبر کثرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کو ایذا دیتا ہے۔ اس کی عاقبت بدترین اور حقارت آمیز ہوگی۔

پس محدث کو چاہیے کہ وہ اپنی نیت کا احتساب کرے۔ اس کی امید نبی کریم ﷺ کے اس قول کے تحت داخل ہونا ہے ((نضر الله امراء ا سمع مقالتى فوعاها ، ثم اداها الى من لم يسمعها)) ''یعنی اللہ کریم اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی بات سنی، اسے محفوظ رکھا، پھر جس نے وہ بات نہیں سنی اسے بتائی۔''

تغیر ذہن اور سوء حفظ:

محدث کو چاہیے کہ وہ طلب خیر پر نفس کو آمادہ کرے خاص طور پر جب وہ اکیلا ہو۔ بڑھاپا اور تغیر ذہن ہو تو اس راہ سے باز رہے۔ اپنے بھائیوں اور اہل خانہ سے عہد لے کہ جب تم مجھے بدلتا دیکھو تو مجھے روایت سے منع کرنا۔

اگر وہ سوء حفظ کا شکار ہوتا ہے اور اس کی روایات گنتی کی ہیں۔ وہ اُن کی روایت میں قوی ہے تو اس تبدیلی وقت سے انھیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ حالت تغیر میں وہ اپنی مرویات کی اجازت دے جبکہ اس کی بنیاد تغیر کے باوجود مسلم و مضبوط ہو اور اس کے پاس جمع شدہ روایات حفظ ہوں تو ان کی اجازت دے سکتا ہے۔ اگر وہ اختلاط کا شکار اور فاسد العقل ہو گیا ہے تو اس سے اجازت کے ساتھ روایت لینا بھی جائز نہ ہوگا۔

بڑے کی موجودگی میں روایت حدیث:

ادب میں سے ہے کہ جب بڑا اور صاحب اتقان شخص موجود ہو تو وہ اس کے ہوتے حدیث بیان نہ کرے، خواہ یہ صاحب اتقان شخص کے مقابل کسی اعلیٰ روایت کا حامل ہو۔ مبتدئین کے ساتھ گھل مل نہ جائے بلکہ یہ ان سب کے لیے راہ نما ہو۔ پس دین تو خیر خواہی ہے۔

اگر وہ انھیں عامی بزرگ رواۃ کی طرف راغب کرے جب کہ وہ جانتا ہو کہ وہ عامی روایات کا پاس نہیں رکھتے تو انھیں عارف محدث کی طرف جانے کی نصیحت کرے جس کی وہ قراءت سنیں۔ یا وہ عامی کے پاس حاضر ہو ان کے ساتھ اور ان سے روایت کرے۔ اس میں بہت سارے فوائد جمع ہوتے ہیں۔

روایت کیا گیا ہے امام مالک رحمہ اللہ حدیث بیان کرنے لیے غسل کا اہتمام کرتے۔ دھونی سے خوشبودار ہوتے، خوشبو لگاتے، خوبصورت کپڑے زیب تن کرتے، وقار و سکون کو

لازم رکھتے اور جس کی آواز اونچی ہوتی اسے تنبیہ کرتے اور ترتیل کے ساتھ حدیث پڑھتے۔

بعد کے زمانے میں لوگوں نے مذموم حرکت کی کہ وہ تساہل سے کام لیتے ہوئے بعض الفاظ کا اخفاء کرتے ہیں۔ سامع اس بات میں تمیز نہیں کرتا اسے اجازت دی گی ہے یا نہیں۔ جب کہ اجازت تو صدق ہے۔ تمھارا قول کہ ((سمعت و قرأت هذا الجزء كله مع التمتمة و دمج بعض الكلمات كذب)) ''میں نے اس سارے جزء کا سماع کیا اور پڑھا ہے'' محض منمناہٹ اور الفاظ خلط ملط کرنے کے ساتھ ایک جھوٹ ہے۔ [1]

امام نسائی نے کئی ایک مواقع پر اپنی صحیح میں یہ کلمہ درج کیا ہے "ذكر كلمة معناها كذا و كذا"

مجلس حدیث میں املا:

پہلے حفاظ اپنی مجالس میں املاء کو مضبوط کرتے تھے اور آج یہ معدوم ہے۔ سماع میں املاء مسمع وسامع کے لیے الفاظ کو محقق بناتی ہے۔

مشکل الفاظ کی روایت سے اجتناب کرنا چاہیے جنھیں عام لوگ سمجھ نہ سکیں اگر انھیں روایت ہی کرنا ہے تو خاص مجالس میں بیان کریں۔ موضوع ومطروح کی روایت حرام ہے الا یہ کہ لوگوں کے لیے اس کی وضاحت اور اس سے باز رہنے کا کہا جائے۔

ثقہ

راوی کے لیے عدالت کی شرط لگائی گئی ہے، جیسا کہ شاہد (گواہی دینے والا) کے سلسلے میں ہے۔ ثقہ راوی ضبط واتقان کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ اگر ثقہ حدیث کی معرفت رکھتا اور اس کی کثرت کا احاطہ کرتا ہو تو وہ حافظ کہلاتا ہے۔

---

[1] اس سے مراد ہے پڑھتے اور سنتے وقت بعض کلمات کی ادائیگی مکمل و فصیح تھی لیکن کچھ الفاظ جلدی جلدی پڑھے یا سنے جو واضح نہ ہو سکے۔ (مترجم)

طبقات الحفاظ:

علی الترتیب حفاظ کے طبقات بیان کیے گے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. طبقات حفاظ میں سب سے اونچا مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔
2. تابعین میں ابن مسیّب
3. صغار تابعین میں زہری
4. اتباع تابعین میں سفیان، شعبہ اور مالک
5. پھر ابن المبارک، یحیٰی بن سعید، وکیع اور ابن مہدی
6. انھی کے اصحاب جیسے ابن مدینی، ابن معین، احمد، اسحاق وغیرھم
7. پھر بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوداؤد اور مسلم
8. پھر نسائی، موسی بن ھارون، صالح بن جزرہ اور ابن خزیمہ ہیں۔
9. ابن شرقی اور وہ سب جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی جماعت میں سے حفظ و اتقان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
10. پھر عبید اللہ بن عمر، ابن عون اور مسعر
11. پھر زائدہ، لیث اور حماد بن زید
12. پھر یزید بن ہارون، ابوسلمہ اور ابن وہب
13. پھر ابوخیثمہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابن نمیر اور احمد بن صالح
14. پھر عباس دُوری، ابن وارہ، ترمذی، احمد بن ابی خیثمہ، عبد اللہ بن احمد،
15. پھر ابن صاعد، ابن زیاد نیشاپوری، ابن جوصا اور ابن الاخرم
16. پھر ابوبکر اسماعیلی، ابن عدی اور ابواحمد الحاکم
17. پھر ابن مندہ اور ان کی مثل
18. پھر برقانی اور ابوحازم عبدوی

⑲ پھر بیہقی اور ابن عبد البر

⑳ پھر حُمیدی اور ابن طاہر

㉑ پھر سلفی اور ابن سمعانی

㉒ پھر عبد القادر اور حازمی

㉓ پھر حافظ ضیاء اور ابن سید الناس خطیب تونس

㉔ پھر حافظِ وقت ابوالفتح کے پوتے

جو حفاظ طبقہ ثالثہ میں شمار کیے جاتے ہیں، ان میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم، بہت سے تابعین اور تبع تابعین شمار کر کے اپنے زمانے تک لائے گئے ہیں۔

① اس کی مثال یحییٰ قطان کی ہے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے: امام، حجت، ثبت، جہبذ (ماہر)، ثقہ ثقہ

② پھر ثقہ حافظ

③ پھر ثقہ متقن کا درجہ

④ پھر ثقہ عارف اور حافظ صدوق اور اس کی مثل شمار کیے جاتے ہیں۔

طبقات حفاظ کی روایت کا حکم:

یہ ثقات حفاظ کا بیان ہے۔ ان کی روایت کا حکم درج ذیل نکات کی صورت میں ہے:

① تابعین میں روایت کرنے میں انفراد ہو تو اس کی حدیث صحیح ہوگی۔

② اتباع تابعین میں سے ہے تو اس کا حکم "صحیح غریب" کا ہوگا۔

③ اصحاب اتباع تابعین کی روایت میں انفراد ہو تو اس کا حکم ''غریب فرد'' کا ہوگا۔

ان میں تفرد کی بنا پر جو نادر ہے اگر اس کی احادیث دو لاکھ ہیں تو وہ دو یا تین احادیث کے ساتھ منفرد نہ ہوگا۔ ان کے بعد کے تفرد کو میں نہیں جانتا اور نہ ہی وہ پایا جاتا ہے۔

ثقہ متوسطہ:

اب ہم معرفت وطلب کے ثقہ متوسط کی طرف آتے ہیں۔اسے بھی ثقہ کہا جائے گا۔ یہ زیادہ تر ''صحیحین'' کے رواۃ تابعین ہی ہیں۔ جب کسی کی روایت کے متن میں انفراد ہوگا تو اس کی صحاح میں تخریج کی جائے گی۔

زیادہ تر نقاد نے اتباع ثقات کی ''غرابہ'' مع ''صحت'' کے حکم میں توقف کیا ہے حدیثوں میں، ان میں بعض صحاح میں بھی موجود ہیں۔

منفرد کی حدیث

تعریف:

حفاظ کی ایک جماعت نے منفرد راوی کی روایت کو منکر کہا ہے، جیسا کہ ہُشیم اور حفص بن غیاث۔

بحث ونظر:

اگر منفرد طبقہ ائمہ کے مشائخ میں ہوتو اس کے انفراد پر نکارت کا حکم لگایا ہے، جیسے عثمان بن ابی شیبہ اور ابی سلمہ تبوذکی کے متعلق محدثین نے کہا یہ منکر ہے۔

اگر منکر رواۃ سے احادیث روایت کی جائیں گی تو ان کا حکم نرم ہوگا۔ ان کی توثیق میں توقف کیا جائے۔ اگر وہ اس سے رجوع کرتا ہے تو اس کی روایت چھوڑ دی جائے گی۔ اس پر وہم کو جائز سمجھا جائے گا۔ یہ اس کے لیے بہتر اور اس کی عدالت کے لیے راجع ہے۔ ثقہ کی حد نہیں ہے کہ وہ غلطی کرے نہ خطا۔ معصوم کے سوا کون ہے جو خطاء سے سلامت ہو۔

فصل (الثقہ)

تعریف:

ثقہ وہ ہے جس کی توثیق کثیر محدثین سے مروی ہو، کسی نے اسے ضعیف نہ کہا ہو۔ اس کے سوا وہ ہے جس کی نہ توثیق کی گی اور نہ ہی تضعیف۔

بحث وحکم:

اس کی احادیث ''صحیحین'' میں موجود ہیں تو وہ موثق ہے۔ اگر اس کی تصحیح ترمذی اور ابن خزیمہ نے کی ہے تو وہ جید بھی ہے۔ اور اگر اس کی تصحیح دارقطنی اور حاکم جیسے محدثین نے کی ہو اس کے ساتھ اس کے احوال کم ہوں تو اس کی روایت حسن درجے میں ہوگی۔

متاخرین محدثین کے ہاں ثقہ وہ ہے جس پر جرح نہ کی گئی ہو۔اس کی جہالت مرتفع ہو اسے ''مستور'' اور محل صدق سے موسوم کیا جائے گا اور اسے شیخ کہا جائے گا۔

محدثین کا قول ''مجہول'' اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اس میں جہالت عین ہے۔ اگر اس میں جہالت عین ہے تو اس پر احتجاج نہ کرنا اولیٰ ہے۔ اگر وہ کبار اثبات میں منفرد راوی ہے، اس کے احوال قوی ہیں۔ اس کی مثل رواۃ سے حجت پکڑی جائے گی، جیسے نسائی اور ابن حبان نے پکڑی ہے۔

معرفت ثقات کے ذرائع تاریخ البخاری، ابن حاتم، ابن حبان اور تہذیب الکمال جیسی کتب ہیں۔

شیخین کی تخریج:

①......جس کی تخریج شیخین نے کی یا ان میں سے ایک نے تو یہ دو قسم کی ہے: اول شیخین نے اصول میں اس سے احتجاج کیا ہو۔ دوم اس کی احادیث کو بطور متابع، شہادت اور اعتبار کے درج کیا ہو۔

②......جس سے دونوں نے احتجاج کیا ہو یا ایک نے لیکن ان کی توثیق نہ کی ہو، وہ ثقہ ہے اس کی حدیث قوی ہے۔

③......جس راوی سے دونوں نے دلیل پکڑی یا ایک نے اس میں کلام بھی کیا۔ کبھی اس میں لغزش کے طور پر کلام ہوتا ہے۔ جمہور اس کی بھی توثیق کرتے ہیں، یعنی اس کی بھی حدیث قوی ہے۔

④......اس پر اگر کمزور حفظ کی وجہ سے کلام ہو تو اس کی حدیث درجہ حسن سے نیچے کی نہیں ہے جسے ہم نے صحیح کے ادنیٰ درجات میں شمار کیا ہے۔

⑤......بحمد اللہ جو ان دو کتابوں میں ہے اور بخاری و مسلم نے دلیل اصول میں پیش کی لیکن اس کی روایات ضعیف ہیں بخاری و مسلم کے نزدیک اس کی روایت حسن ہو گی یا صحیح۔

⑥...... جسے بخاری و مسلم نے شواہد و متابعات کے طور پر درج کیا ہے اور ان میں حفظ قلیل ہے، ان کی توثیق میں شبہ ہے اور اس کی توثیق میں تردد ہے۔ ہر راوی جس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی ہے وہ ثقات میں سے ہے۔اس کو دلیلِ واضح کے بغیر ترک نہ کیا جائے۔

ترجیح بین الثقات:

ہاں صحیح کے مراتب ہیں اور ثقات کے طبقات ہیں۔جس کو ثقہ کہا گیا وہ مطلق ویسا نہیں ہے جس میں کلام کیا گیا ہو۔جس کے حفظ اور اجتہاد میں کلام ہے وہ ضعیف کی طرح نہیں ہے۔ نہ ہی ضعیف متروک کی طرح ہے۔اور نہ ہی متروک متہم و کذاب کی طرح ہے۔تعارض روایات کی صورت میں ترجیح پر عمل ہوتا ہے۔ثقات کے شمار سے مصنف معذور ہے اور مجہولین کی تعداد کا احاطہ محال ہے۔

البتہ جس کی تضعیف کی گئی یا اس میں ادنیٰ سا بھی کلام ہے، میں نے "المغنی" کے نام سے مختصر اور "المیزان" کے عنوان سے متوسط کتاب تالیف کی ہے۔

ثقہ جن کی تخریج صحیحین میں نہیں:

جن ثقات کی تخریج صحیحین میں نہیں ہے، ان میں سے بعض کی امام ترمذی و ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کی ہو۔ پھر وہ ثقات جن کو امام نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے لیا ہو، پھر وہ جن کی تضعیف کسی نے نہ کی ہو۔اور ان مصنّفین نے ان رواۃ کی روایات سے احتجاج کیا ہو۔

بعض جن کے بارے کہا جاتا ہے: فلان ثقہ، فلان صدوق، فلان لابأس بہ، فلان لیس بہ بأس، فلان محلّہ صدق، فلان شیخ، فلان مستور، فلان روی عنہ شعبہ، یا مالک یا یحییٰ اور اس کی

مثل: فلان حسن الحدیث ،فلان صالح الحدیث اور فلان صدوق ان شاء اللہ

یہ تمام القاب عمدہ وجید ہیں۔ مگر یہ شیخ کے درجے کو نہیں پہنچتے۔ تضعیف کبھی درجہ کامل صحت کو نہیں پہنچتی اس پر اتفاق ہے۔ لیکن ان میں زیادہ تر جن کو ہم نے ذکر کیا ہے احتجاج کے لیے متجاذب ہیں یعنی اس میں کوئی فیصلہ کن قول نہیں۔

جس راوی کے بارے میں ہو: لیس بالقوی، واتج بہ...... امام نسائی کئی ایک مقامات پر کہتے ہیں: لیس بالقوی اور اس کی حدیث اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہوتا ہے اس پر جرح مفسد نہیں ہے۔ کامل اہل ورع، ہوائے نفس سے دور، مکمل علم حدیث اور اس کے رجال وعلل جاننے والوں پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

جرح وتعدیل:

اب ہم جرح وتعدیل کی عبارات اور جو ان کے درمیان باہمی مناسبت ہے اس کی طرف آتے ہیں۔

سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم استقراء تام کو جانیں، وہ اس طرح کے امام جہبذ (ماہر حدیث) کو جانیں، اس کی اصطلاحات ومقاصد کو اور اس کی کثیر عبارات کے ساتھ جان لیں۔

امام بخاری:

امام بخاری جب یہ کہتے ہیں "سکتوا عنہ" اس سے ظاہر ہے کہ محدثین نے ان کے ساتھ جرح وتعدیل میں تعرض نہیں کیا۔ ہم نے استقراء کے ذریعہ جانا اس کا معنی ہے متروک۔ جیسا امام صاحب کی عادت ہے، وہ کہتے ہیں: "فیہ نظر" یہ اس معنی میں کہ وہ متہم ہے، یا ثقہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے نزدیک وہ انتہا درجہ کا ضعیف ہوتا ہے۔

امام ابوحاتم:

امام موصوف جب کہتے ہیں "لیس بالقوی" اس سے ان کی مراد ہوتی ہے کہ یہ شیخ درجہ قوت وثبت پر فائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری لیس بالقوی کا اطلاق ضعیف شیخ پر کہتے ہیں۔

پھر جرح وتعدیل کے بیان میں یہ ضروری ہے کہ جارح کے احوال معلوم ہوں۔ ان میں بعض محدثین شدت (حاد) پر ہیں، اور بعض معتدل ومتساہل۔

شدت والے:

یحیٰی بن سعید، ابن معین، ابو حاتم اور ابن خراش وغیرھم۔

معتدل:

احمد بن حنبل، بخاری اور ابوزرعہ۔

متساہل:

ترمذی، حاکم اور بعض اوقات دارقطنی بھی ایسا کرتے ہیں۔

اگر امام کے مذہب کے موافق ہے یا اس حال میں کہ وہ اس کا شیخ ہے۔ تو اس کے برعکس اس سے نرمی کی جاتی ہے۔ عصمت تو انبیاء اور صدیقین اور عادل حکام کے لیے ہے۔ لیکن اس مؤید دین کی اللہ تعالی نے حفاظت کی ہے۔ علماء گمراہی پر مجتمع نہیں ہوتے نہ عمداً اور نہ بطور خطا۔ محدثین میں دو علماء بھی ضعیف کی توثیق نہیں کرتے اور نہ ثقہ کی تضعیف کرتے ہیں۔ قوت وضعف کے مراتب میں ان میں اختلاف رونما ہوا ہے۔ امام حاکم اپنے اجتہاد و قوت معرفت سے کلام کرتے ہیں۔ اگر نقد میں خطا واقع ہو تو ان کے لیے ایک اجر ہے۔ واللہ الموفق.

راوی میں اعتقاد کے سبب کلام:

شیخ کے نقد اور اس کے حفظ و غلط کے سلسلے میں ناقدین نے جو کہا ہے، اگر اس کے اعتقاد کے معاملے میں کلام کیا جائے تو اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

① بدعت غلیظہ

② بدعت غلیظہ کے علاوہ بدعت

③ بدعت کی طرف بلانے والا۔

④ الکافّ (اپنے نفس کو روکنے والا) اور جو اُن کے درمیان مراتب ہوں

بحث وحکم:

جب کسی میں بدعت غلیظہ اور اس کی طرف دعوت پائی جائے تو ان سے روایت نہیں لی جائے گی۔ جب اس میں خفت وکف جمع ہوں تب اس سے روایت لی جائے گی۔

بدعت غلیظہ، جیسے غلو والے خوارج، جہمیہ اور رافضہ۔

خفت وارجاء، جیسے تشیع میں پایا جاتا ہے۔ اور جو جھوٹ کو حلال جانے جیسے خطابیہ، ان کی احادیث رد کی جائیں گئیں۔

ہمارے شیخ ابن وہب نے کہا عقائد اور بدعت ایک دوسرے کی تکفیر کو لازم کرتے ہیں اور عصبیت اُبھارتے ہیں۔ اسی سے طعن تکفیر وتبدیع کا طعن ہے۔ متقدمین میں طبقہ متوسطہ کے اکثر رواۃ کا حال یوں ہی ہے۔

ہمارے نزدیک روایت میں مذاہب معتبر نہیں ہیں اور نہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ شریعت میں سے متواتر کا انکار کرے، پھر اس کی تکفیر کا اعتبار ہے۔

ورعِ وضبط وتقویٰ کا جمع ہونا معتمد روایت کے لیے کافی ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم خطابیہ روافض کے سوا اہلِ اہواء کی گواہی قبول نہیں کرتے۔

ہمارے شیخ نے کہا: کیا مبتدع کی روایت قبول کی جائے گی جو اس کے مذہب کے موافق ہو؟ جنھوں نے ان کی تہمت کے ساتھ شہادت کو رد کیا ہے، وہ قبول نہیں کرتے۔ جو بدعتی علانیہ بدعت کی طرف دعوت دے، اس کی روایت اس کی اہانت اور اس کے مذہب کے اخماد (ڈھانے) کے لیے رد کی جائے گی، سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی منفرد اثر ہو۔ اس کے سماع کے بارے میں ہم کلام کر چکے ہیں۔

احوال جارح:

چاہیے کہ جارح کے احوال بھی متکلم فیہ کے ساتھ معلوم کیے جائیں۔ اگر جارح کا

انحراف ظاہر ہوجائے اور مجروح کی توثیق کسی دوسرے طریقے سے کرنی پڑے تو منحرف اور اس کے مبہم اشارے کنارہ نہ کرو۔ اگر اس کے انحراف و غموز کی توثیق نہیں ہوتی تو اس سے نرمی اور رعایت برتو۔

متصوفہ اور اہل علم ظاہر:

ہمارے شیخ ابن وہب نے کہا: اسی طرح متصوفین اور ظاہریوں کے مابین اختلاف رونما ہوا ہے۔ ان کے درمیان ایسی بحثیں ہوئیں جس کی وجہ سے باہمی تنافر نے جنم لیا۔

یہ ایسی سختی ہے جس سے کامل عالم شواہد شریعت کے بغیر چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہم علم الفروع کے ذریعے اس کا احصار کرسکتے ہیں۔ کثیر احوال محققین صوفیہ ایسے ہیں جن کا علم الفروع حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا جب کہ اصولی قواعد کی معرفت کے ساتھ ساتھ واجب و جائز کے درمیان تمیز اور محال عقلی اور محال عادی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

یہ خطرے کا مقام ہے جب قادح (ردّ و قدح کرنے والا) محق الصوفیہ کے بارے میں کلام کرے تو کہیں داخل نہ ہوجائے اس حدیث میں "من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربہ ." (جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، اس نے مجھ سے لڑائی مول لی۔)

اگر وہ صوفیہ میں کسی سے باطل سنتا ہے لیکن اس کا انکار نہیں کرتا، تب وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تارک ٹھہرتا ہے۔

باطل کے انکار کا تارک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تارک ٹھہرتا ہے۔

لاعلمی کے سبب کلام علوم کے مراتب کے مطابق ہوتا ہے۔ اکثر متاخرین اس کے محتاج ہیں کیونکہ پہلے والوں نے علوم کا خزینہ بکھیرا ہے۔ حساب، ہندسہ (جیومیٹری) اور طب میں حق ہے۔ اور باطل ہے، جیسا طبیعیات، اکثر الٰہیات اور علم نجوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں باطل کی آمیزش ہے۔

قادح کے لیے ضروری ہے کہ وہ حق و باطل میں فرق جانے ،جس میں کفر نہیں اس کی

تکفیر نہ کرے یا کافر کی روایت قبول نہ کرے۔

عدم ورع اور توہم اور متروک قرائن کی وجہ سے خلل واقع ہوا ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((الظن اکذب الحدیث))...... ''گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔''

علم وتقویٰ جرح میں ضروری ہے، چونکہ ان شرائط کا مزکین (صالحین) میں پایا جانا مشکل ہے، جرح وتعدیل کے سلسلے میں خطرات بڑھ گئے ہیں۔

۴۴ المُؤْتلِف و المختلِف

فَـنٌّ واسعُ مهم، وأهمُّه ما تكرَّر و كَثُرُ، وقد يَنْدُرُ كأَجْمَد بن عُـجْيَـان، وآبِـي الـلَّحْم، وابنِ أتشٍ الصَّنْعَانى، ومحمد بن عَبَـادَة الـواسِـطـى الـعِـجْـلى، ومحمد بن حُبَّان الباهِلى، وشُعَيثِ بن مُحَرَّر۔ والله أعلم.

۴۴ ......مؤتلف اور مختلف

یہ فن وسیع اور اہم ہے۔ اس میں وہی درک رکھتا ہے جو اس میں کثرت وتکرار کرتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل افراد نے مہارت وندرت حاصل کی ہے۔

1. احمد بن عجیان (صحابی رسول ﷺ)
2. آبی اللحم
3. ابن اتش صنعانی
4. محمد بن عبادہ واسطی عجلی
5. محمد بن حبان باہلی اور، شعیث بن محرر مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم

تــــمــــت

❀❀❀❀❀